تاریخی ہڑتال

معاہدہ دہلی ۱۹۷۴ء تیسرا معاہدہ ہے۔ جو گذشتہ تیس برس میں ہندوستان اور شیخ محمد عبداللہ کے درمیان طے ہو کر وجود میں آیا ۱۹۴۷ء میں مہاراجہ ہری سنگھ کا الحاق نامہ ہوا' اور ۱۹۵۲ء میں نہرو عبداللہ معاہدہ معرض وجود میں آگیا۔ اگر ان معاہدات کے ساتھ ۱۸۴۶ء کا بیعنامہ امرت سر بھی شمار کر لیا جائے تو پھر موجودہ معاہدہ ہماری شوم قسمتی کا چوتھا معاہدہ بن جاتا ہے۔

بہرکیف معاہدات جتنے بھی ہوتے ہیں برابری کی بنیاد پر نہیں ہوئے بلکہ ایک کی سینہ زوری اور دوسرے کی پامالی اور کم نظری کے غماز ہیں۔ دہلی سمجھوتے کی دفعات نے ۹ اگست ۵۳ء کے شہیدوں کی ارواح کو بھی بے حد اذیت پہنچائی جنہوں نے تسلیم ورضا کا پیغام دے کر حق خود ارادیت کے حصول کی تحریک میں ایک نئی جان ڈالی تھی۔

معاہدہ دہلی کے متن کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ مرکز کے ساتھ کئی برس کے مذاکرات کے بعد بھی محاذ کی قیادت داخلی خود مختاری حاصل نہ کر سکی۔ جس کا تاثر اس نے دیا تھا۔ محاذ نے داخلی خود مختاری کو حق خود ارادیت کا نعم البدل ٹھہرایا تھا۔ اس معاہدے کی رو سے اب جو لوگ کشمیر کی گدی پر بٹھائے جا رہے تھے' ان کی پوزیشن کو استعمال کرکے بھارت کا منشاء یہ تھا کہ بین الاقوامی سطح پر حق خود ارادیت کی تحریک کو سبو تاج کر دیا جائے۔ ورنہ حق تو یہ ہے کہ اہل کشمیر کسی خاص شخصیت کی طرف سے اقتدار سنبھالنے کے واقعہ کو اتنی زبردست اہمیت نہ دیتے۔

اس لئے معاہدہ دہلی کے خلاف کشمیر کے گوشے گوشے میں ناراضگی اور بیزاری کی لہر پھیل گئی اور حق خود ارادیت کی حامی جماعتوں نے اس معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ پاکستان نے بھی محسوس کر لیا کہ معاہدہ دہلی کی شکل میں بھارت کے پاس جو ہتھیار آیا ہے وہ اس کے ذریعے کشمیر کے بارے میں عالمی موقف کو بے اثر بنانے کی کوشش کر سکتا ہے چنانچہ پارلیمنٹ میں وزیراعظم مسزاندراگاندھی کی طرف سے معاہدے کا اعلان ہو جانے کے فوراً" بعد وزیراعظم پاکستان نے دنیا بھر میں رہنے والے کشمیری عوام اور پاکستانی عوام سے اپیل کی کہ وہ ۲۸ فروری ۷۵ء کو

معاہدہ دہلی کے خلاف ایک پرامن ہڑتال کریں گے۔ ۲۱ فروری سوموار کو لاڑکانہ سے ایک بیان میں جناب بھٹو وزیراعظم پاکستان نے کہا

" ہم دنیا کو یہ بتا دینا چاہتے ہیں کہ کوئی بھی معاہدہ کشمیری عوام سے ان کا حق خود ارادیت چھین نہیں سکتا۔ یہ معاہدہ اہل کشمیر کو اپنے پیدائشی حق " خودارادیت سے محروم نہیں کر سکتا۔ کشمیر کی موجودہ متنازعہ حیثیت ہندوستان اور پاکستان نے اقوام متحدہ کی منظور شدہ قراردادوں کے مطابق تسلیم کر لی ہے"۔

اعلان کے فوراً" بعد کشمیر کے گوشے گوشے میں مجوزہ جمعہ ہڑتال کو کامیاب بنانے کے لئے زور دار خاموش و خفیہ تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اس ہڑتال کے حق میں کشمیر کے بوڑھوں اور نوجوانوں نے یکساں طور پر آپ اپنی خوشی سے اور اپنے اعتماد کے سہارے پر کسی قسم کے مادی فائدے کی لالچ کے بغیر ہی ایک خاموش مہم چلائی اس طرح ہر فرد نے اس سوال کو اپنا ذاتی سوال جان کر اس کے حق میں اپنا اپنا پارٹ ادا کر دیا

افراد کے ہاتھوں میں ہے اقوام کی تقدیر
ہر فرد ہے ملت کے مقدر کا ستارہ

اس موقعہ پر جموں وکشمیر پیپلز لیگ نے بے خوف وخطیر میدان میں کود کر یوم ہڑتال کی کامیابی کے لئے کشمیر کو مختلف زونوں میں تقسیم کرنے کا اعلان کر دیا۔ ادھرجموں میں وزیراعلیٰ کا عہدہ سنبھالنے کے بعد شیخ عبداللہ پہلی بار ۲ فروری ۷۵ء کو وارد سری نگر ہونے والے تھے۔ لیکن جب انہیں بتایا گیا کہ کشمیر میں ہڑتال کو کامیاب بنانے کے لئے جوش و جنوں کی ایک زبردست لہر چل رہی ہے۔ سینہ بہ سینہ پروپیگنڈا زوروں پر ہے اور نفس نفس میں آگ کے شعلے بھڑک رہے ہیں جنہیں بجھانا بچوں کا کھیل نہیں ہے۔ تو انہوں نے نزاکت وقت کو محسوس کرکے ۲ مارچ تک اپنا پروگرام ملتوی کردیا۔ ۲۷ فروری کو سارے کشمیر میں ایک عجیب و غریب دھماکہ خیز صورتحال تھی۔ طلبہ اور نوجوان گرفتار کئے جا رہے تھے۔ وارنٹیں ایشو ہو رہی تھیں اور خفیہ پولیس کے کارندے وادی میں مشتبہ نوجوانوں کی تلاش میں گھوم رہے تھے۔ اور محکمہ سراغ رساں کی تمام ایجنسیاں جگہ جگہ حرکت میں آگئی تھیں۔ حکومت اور عوام دونوں کو ۲۸ فروری کی صبح کا بے تابانہ انتظار تھا کہ آخر اس صبح سے کس قسم کے کشمیر کے طلوع کا اشارہ ملے گا۔ بے قراری کے اس عالم میں ۲۷ فروری کا دن ڈوب

گیا۔ شام ہو گئی اور سات بجے کے قریب پرانے امیراکدل کے مشرق میں کپور اینڈ کو کے سامنے راہ گیروں' سائیکل سواروں' سکوٹر اور کاریں چلانے والوں کی چہل پہل اور بھیڑ بھاڑ میں ایک دستی بم کا دھماکہ ہوا' جس سے کئی آدمی اور پولیس والے زخمی ہو گئے۔ اور شہر سنسنی میں ڈوب گیا۔ امیراکدل کے تمام بازار وقت سے پہلے ہی آناً فاناً بند ہو گئے۔ سناٹا چھا گیا اور لوگ اپنی اپنی قیام گاہوں میں داخل ہو کر ریڈیو خبروں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ رات کے پونے دو بجے دھماکہ کی غیر معمولی خبر بی بی سی لندن نے برصغیر کے عوام کو سنائی بم کا دھماکہ کرنے کے الزام میں پولیس نے کئی نوجوانوں کو حراست میں لے لیا۔ اور غنیمت جان کر پولیس نے پیپلز لیگ کے کارکنوں کو بھی اس مخمصے میں ملوث کر دیا۔ یہ رات پولیس اور عوام دونوں کے لئے بے قراری کی رات تھی۔ دوسرے روز جب ۲۸ فروری کی صبح طلوع ہوئی۔ چائے نوشی کے فوراً بعد عوام ہجوم در ہجوم دفعہ ۱۴۴ کے ضابطوں کو توڑتے ہوئے شہر اور قصبوں کے اہم چوکوں کی طرف بڑھے' لیکن بازار بند تھے' اور وادی بھر میں ٹرانسپورٹ ٹھپ تھا۔ سرینگر اور اہم قصبوں کے علاوہ ۲۸ فروری کی تاریخی ہڑتال کے اثرات وادی کے دور دراز دیہات کے معمولی معمولی گوشوں سے بھی عیاں تھے۔ اس ہڑتال کا سب سے حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ اسے کشمیر کی پرانی لیڈر شپ کی کوئی بھی مدد اور رہنمائی حاصل نہ تھی۔ بعض مقامات پر پولیس کے سپاہیوں اور محاذ رائے شماری کے کارکنوں نے جبراً دکانوں کو کھلوانے کی کوشش کی اور بسوں کو چالو کروانے کے لئے مالکوں اور ڈرائیوروں کے خلاف طاقت استعمال کی۔ لیکن یہ تمام حربے ناکامی پر ختم ہو کر ایک مذاق بن گئے۔ سری نگر' سوپور اور بارہ مولہ میں جہاں کہیں انتظامیہ کی غیر مدبرانہ کارروائیوں سے ہجوم باقاعدہ جلوس میں تبدیل ہو گئے' وہاں پاکستان کے حق میں نعرے بھی بلند ہو گئے۔ محاذ رائے شماری کے سرکردہ لیڈروں اور پارٹی عہدہ داروں کی قیادت میں کئی جتھے دکان داروں' بس مالکوں اور ڈرائیوروں کے خلاف طاقت استعمال کرتے ہوئے لال چوک بھی آئے۔ لیکن مجاہد منزل کے سب ہی جتھے اور "نیشنل گارڈ" اپنے مقاصد میں ناکام ہو گئے اور تاریخ نے ایک ایسا زور دار الارم بجایا' جو ہمیشہ کے لئے ٹیپ ہو گیا غرض ۲۸ فروری ۱۹۷۵ء کی ہڑتال کشمیری عوام کا ایک ایسا فیصلہ ہے جس کو کبھی چیلنج نہ کیا جا سکے گا۔

شام کو لوگوں نے سری نگر ریڈیو کی خبریں سنیں اور سری نگر ٹیلی ویژن دیکھا'

لیکن ان دونوں نشر گاہوں سے سفید جھوٹ کے پلندے کے بغیر اور کچھ نشر نہ ہوا۔ اس طرح ان نشر گاہوں نے کذب گوئی کی قدیم روایت کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ کتمان حق کے تمام گذشتہ ریکارڈ مات کر ڈالے۔ یہ حال دیکھ کر کشمیر کے وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ بھی شرمسار ہو گئے۔ ۲ مارچ کو وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے لال چوک کے جلسہ عام میں سری نگر ریڈیو اور ٹی وی کی کذب گوئی پر تنقید کی۔ لیکن وزیر اعظم مسز اندرا گاندھی کی وزارت خرافات "کو کوئی شرمندگی نہ ہوئی۔ ۲۸ فروری کو ریاستی حکام نے خبروں پر زبردست سنسر بٹھا دیا تھا۔ لیکن کشمیریوں کو ہرگز یہ توقع نہ تھی کہ بی بی سی لندن کشمیر ہڑتال کی صداقت کے خلاف خبریں نشر کرے گا کشمیریوں کو اس وقت زبردست مایوسی ہوئی جب انہوں نے رات کو بی بی سی لندن سے ہڑتال کے بارے میں غلط رپورٹنگ سنی اس طرح کشمیر میں بی بی سی کے نمائندے کے خلاف ناراضگی پھیل گئی۔

میں نے یوم ہڑتال کی حقیقی تصویر کشی کر کے بی بی سی لندن کو ایک مقالہ روانہ کیا لیکن اس کا حشر معلوم نہیں' البتہ اس کی نقل نئی دہلی کے ہفتہ وار" نئی دنیا" میں چھپ گئی۔ ہڑتال کے روز پولیس نے کشمیر میں سینکڑوں لوگوں کو گرفتار کر کے تھانوں میں بند کر دیا

نیویارک میں اقوام متحدہ میں پاکستان کے مستقل نمائندے مسٹر اقبال اخوند نے معاہدہ دہلی کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے اس کو شملہ معاہدہ کی خلاف ورزی قرار دیا اور خبردار کیا کہ اس سے ہندوستان و پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کی کارروائیوں میں رکاوٹ پیدا ہو سکتی ہے پیکنگ سے روزنامہ پیپلز ڈیلی نے اس سمجھوتے کو اقوام متحدہ کی قراردادوں کے منافی قرار دے کر پھر سے حق خودارادیت کی حمایت کا اعلان کیا۔

شیخ عبداللہ کی سواری

شیخ عبداللہ ۲ مارچ کو پہلی بار وزیراعلیٰ کی حیثیت سے سرینگر پہنچ گئے۔ لال چوک میں نئے وزیراعلیٰ کا زبردست استقبال کیاگیا۔ گذشتہ ۲۲ برس میں یہ شیخ کا پہلا استقبال تھا۔ جس کے مناظر بڑے ہی ڈراؤنے اور وحشت ناک تھے۔ اس روز جس بھی راہ گیر پر پولیس یاخفیہ پولیس کے کارندوں کو شبہ ہو جاتا' اسے کسی وارنٹ کے بغیر اٹھا کر تھانے میں بند کیا جاتا تھا۔ اس طرح سرینگر کے تھانے گناہ گاروں اور بے گناہ لوگوں سے کھچا کھچ بھر گئے تھے۔ ان میں سے بعض رات کے اندھیرے میں چھوڑ دیئے گئے اور بہت سارے سنٹرل جیل بھیج دیئے گئے۔ لال چوک کی طرف جانے والی تمام چھوٹی بڑی گذرگاہوں پر پولیس اور خفیہ پولیس کا کڑا پہرہ تھا۔ اور اس تاریخی چوک کی طرف دیکھنے والے تمام ہوٹلوں اور ریستورانوں میں سارے کشمیر کی خفیہ پولیس کے کارندے "مچھلیوں" کی تاک میں بیٹھے ہوئے تھے۔ لال چوک میں سارے کشمیر کی خفیہ پولیس کی علاقہ دار موجودگی کا یہ عالم تھا کہ وہ ریاست کے کسی بھی کونے سے آئے ہوئے آدمی کو پہچان سکتی تھی۔ اور مشتبہ آدمی پر چیل کی طرح چوزے پر جھپٹ کر پنجوں میں پھنسا کر اڑا لیتی تھی۔ چیل کسی اونچے درخت پر بیٹھ کر مظلوم چوزے کی جان لیتی ہے۔ اور اس کے گوشت سے اپنا پیٹ بھر لیتی ہے۔ لیکن پولیس کی چیلیں بند کمروں میں لے جا کر اپنے شکار کے ساتھ انسانیت سوز سلوک کرتی رہیں۔ میں نے پہلی بار دیکھا کہ شیخ عبد اللہ پولیس اور سیکورٹی کے سخت کڑے پہرے میں تقریر کر رہے ہیں۔ حیرت ہے کہ انہوں نے معاہدہ دہلی کی بات تک نہ چھیڑی۔ انہوں نے کہا جو کچھ ہوا ہے۔ میں اس کے بارے میں کچھ کہنا نہیں چاہتا۔ میں ابھی انتظار کروں گا' پھر اس پوزیشن میں ہوں گا کہ سب کچھ آپ کے سامنے رکھ سکوں۔ آپ کو بھی انتظار کرنا چاہئے۔ تاہم میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں عوام کے بنیادی حقوق کے بارے میں کوئی سودا بازی نہیں کروں گا۔ شیخ عبداللہ نے وزیراعظم پاکستان ذوالفقار علی بھٹو کے تازہ ترین بیانات پر سخت نکتہ چینی کی۔ آپ نے پوچھا کہ کیا پاکستان نے اس ریاست کے پندرہ لاکھ عوام کو جو آزاد کشمیر میں بس رہے ہیں' حق خودارادیت دیا ہے۔ انہوں نے پاکستانی عوام سے طنزاً کہا کہ پہلے وہ اپنے گھر کی طرف

دیکھیں' اپنا گھر سنبھالیں پھر ہماری بات کریں۔ انہوں نے الزام لگایا کہ پاکستانیوں کے قول و فعل میں ہمیشہ ہی تضاد تھا۔ انہیں کشمیر کی فضاؤں' سبزہ زاروں اور اس کے چشموں سے دلچسپی ہے۔ کشمیریوں سے نہیں' وہ ہمارے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہتے ہیں جو ماضی میں ہمارے ساتھ کیا گیا ہے۔

وزیراعلیٰ نے دوسرے روز سرینگر کے براڈوے ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس سے بھی خطاب کیا اور کہا کہ " اقتدار سنبھالنا ۵۳ء کی پوزیشن بحال کرنے کی طرف پہلا قدم ہے۔۔ کشمیر سے تمام کالے قوانین منسوخ کئے جا رہے ہیں' اور سیاسی مقدمات واپس لئے جائیں گے۔ اس سوال کے جواب میں کہ وہ رائے شماری کا نعرہ دینے والوں کے ساتھ کیسا سلوک کریں گے۔ شیخ عبد اللہ نے کہاکہ میں سیاسی سطح پر ان کا مقابلہ کروں گا' اور انہیں قائل کرنے کی کوشش کروں گا۔ اب کشمیر میں ڈنڈا اور تلوار نہیں چلے گی۔ ڈنڈے اور تلوار کا زمانہ گذر گیا۔ نئی دہلی کے ساتھ حتمی طور پر جو کچھ ہو گا اسے باقاعدہ طور عوام کے سامنے رکھا جائے گا' اور انتخابات کے ذریعے اس کی منظوری یا نامنظوری حاصل کی جائے گی۔"

سری نگر میں ۲۷ مارچ کو مختلف محکموں کے افسروں سے خطاب کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے کہا کہ اگر اقتدار میرے مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ثابت ہوا تو میں اسی طرح اسے ٹھکرا سکتا ہوں جس طرح میں نے ۱۹۵۳ء میں اقتدار کو ٹھکرایا تھا"۔

۱۹۷۵ء کے چند واقعات

فاقہ کشی جون ۱۹۷۵ء میں وادی میں زبردست غذائی بحران نے قحط نما صورتحال پیدا کی' ذخیرہ اندوزوں نے غلہ غائب کیا اور فاقہ کشی اور گرانی سے عوام میں سخت بے چینی پھیل گئی۔ کئی علاقوں سے اطلاعات آئیں کہ غریب کنبے پیٹ کی آگ بجھانے کے لئے درختوں کے پتے کھا رہے ہیں۔ عوام میں حکومت کے خلاف سخت بے زاری پھیلی اور اسلام آباد' سرینگر' بارہ مولہ اور بانڈی پورہ کے مختلف دیہات میں حکومت مخالف مظاہرے ہوئے۔

گاندربل اور دیوسر میں الیکشن

وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور وزیر مال مرزا افضل بیگ کو اسمبلی کی رکنیت دلانے کے لئے دو نشستوں پر ضمنی انتخابات کا فیصلہ کیا گیا۔ شیخ عبداللہ کے لئے گاندر بل کی محفوظ نشست خالی کی گئی اور وزیر مال کو دیوسر سے کھڑا کیا گیا۔ دونوں کے مقابلے میں جماعت اسلامی نے گاندر بل میں جناب اشرف صحرائی اور دیوسر میں مولانا حکیم غلام نبی کھڑے کئے۔ ۳ جولائی کو ہر دو نشستوں پر خوف و دہشت کے عالم میں ووٹ ڈالے گئے۔ اور ریکارڈ توڑ دھاندلیوں' مار دھاڑ اور پولنگ ایجنٹوں کے اغواء کے بعد وزیر اعلیٰ اور وزیر مال کامیاب قرار دیئے گئے۔ حالانکہ دھاندلیوں کے بغیر بھی وزیر اعلیٰ گاندر بل سے جیت جاتے' لیکن شیخ عبد اللہ کے پیروکاروں کو یہ گوارا نہ تھا کہ اللہ کا کوئی بندہ ان کے لیڈر کے خلاف میدان میں اتر کر ان کی توہین کا مرتکب ہو۔ ان کا بس چلتا تو وہ حریف کا لہو بھی پیتے۔

ایمرجنسی اور گرفتاریاں

۲۶ جون ۱۹۷۵ء کو وزیراعظم مسز گاندھی نے سارے ہند پر ایمرجنسی لاگو کر دی اور ۲۷ جون کو شہریوں کے بنیادی حقوق کالعدم کرنے کے لئے صدر ہند نے ایک حکم جاری کر دیا اور ۲۹ جون کو صدر ہندوستان کا حکم ریاست جموں وکشمیر تک بھی بڑھادیا گیا۔ ہند میں گرفتاریوں کا ایک تند و تیز سائیکلون چلایا گیا۔ ۴ جولائی کو حکومت ہند نے جماعت اسلامی آر' ایس' ایس اور مارکسیوں کے سمیت ۲۶ تنظیمیں خلاف قانون قرار دیں ۴' ۵ جولائی کی درمیانی شب میں مجھے بھی پولیس نے اپنے گھراونہ گام

سے گرفتار کیا۔ میری بیداری اور گرفتاری سے پہلے بانڈی پورہ کی پولیس پارٹی کے ایک آفیسر نے میرے گھریلو ملازم کو جگا کر صحن میں کھڑا کیا' اور بغیر کسی اشتعال یا جواز کے اس کی مار پیٹ کی۔ شوروغل کی آواز سے میں بیدار ہو گیا' اور میں نے دو پولیس افسروں کو اندر آنے کی اجازت دی جو مجھے کوئی وارنٹ دکھائے بغیر گرفتار کر کے ۴ بجے صبح پولیس اسٹیشن بانڈی پورہ لے گئے۔ گرفتاری کے دوران دو گھنٹے تک میرا مکان پولیس کی جمعیت کے محاصرے میں رکھا گیا اسی روز طلوع آفتاب کے بعد مجھے ڈسٹرکٹ پولیس لائنز بارہ مولا پہنچایا گیا جہاں سے میں اور دوسرے ساتھی رات کے گیارہ بجے تک سینٹرل جیل سری نگر پہنچا دیئے گئے۔ ۵ جولائی کو جماعت اسلامی کالعدم کر دی گئی۔ جناب سعد الدین امیر جماعت اسلامی کو عید الفطر کے روز گرفتار کیا گیا۔ اس کے تمام دفاتر اور ۱۲۳ درس گاہیں سربہ مہر کر دی گئیں۔ اس اقدام سے ریاست کے ۱۷ ہزار بچوں کا مستقبل بری طرح متاثر ہو گیا۔ ادھر قید میں ہماری گھریلو ملاقاتوں پر بھی پابندیاں عاید کی گئیں

نیشنل کانفرنس کا احیاء

مدت ہوئی کہ محاذ رائے شماری کے کام کی اصل بنیاد ڈھا دی گئی تھی۔ اب محاذ بس ایک لاشہ بے جان تھا۔ محض دم شماری کر رہا تھا۔ چنانچہ ۶ فروری ۷۵ء کو مرزا محمد افضل بیگ نے سری نگر میں اخبار نویسوں کو بتایا کہ بدلے ہوئے حالات اور تقاضوں کی روشنی میں اب میں اپنی پارٹی کے سامنے یہ تجویز رکھوں گا کہ محاذ کا نام بدل دیا جائے' اور اس کے اغراض ومقاصد میں بھی تبدیلی لائی جائے۔ لیکن ۹ مئی ۷۵ء کو انہوں نے مجاہد منزل میں اپنے کارکنوں سے خطاب کرتے ہوئے کہا تھا۔

"محاذ رائے شماری کی جگہ نیشنل کانفرنس یا نیشنل کانگریس بنانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نئی پارٹی کا نام جمہوری محاذ یا عوامی محاذ ہو گا۔ اس کا فیصلہ ڈیلی گیٹ سیشن میں ہو گا۔"

۵ جولائی کو محاذ رائے شماری کی جنرل کونسل کا آخری اجلاس ہوا جس میں سخت ہنگامہ آرائیوں کے بعد محاذ کے تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی گئی۔ بہت سارے اراکین نے تجویز کی مخالفت کی' اور اسے ۹ اگست کے شہیدوں سے غداری قرار دیا گیا۔ کہتے ہیں کہ وہ منظر بڑا ہی رقت آمیز تھا۔ کئی ممبروں کی آنکھوں میں

اشکوں کے جام بھرے ہوئے تھے۔ سرکردہ ممبروں میں صوفی محمد اکبر اور عبدالرشید شاہ ایڈووکیٹ وغیرہ کے جذبات بے قابو تھے۔ فریاد ہو رہی تھی کہ خدا کو کیا جواب دیں گے۔ اور شہیدوں کو کیسے مطمئن کریں گے۔ کسی کو اس المیے پر بولنے کی خاطر چند منٹ بھی نہ ملے۔ اور بیگ نے کسی کی ایک بھی نہ سنی۔ انہوں نے یہ کہہ کر سب کا منہ بند کر دیا کہ شیخ صاحب کا فرمان تو یہی ہے۔ صوفی محمد اکبر اس اجلاس میں شامل نہیں ہوئے کیونکہ وہ پہلے ہی مایوس ہو گئے تھے

صوفی محمد اکبر اور عبدالرشید شاہ ایڈووکیٹ اور دوسرے کئی محاذی ورکر نئی پارٹی میں شامل نہیں ہوئے اور وہ محاذ رائے شماری کی رسم فاتحہ خوانی پر ماتم کرتے رہے:۔

مرگ جگر پر کیوں تیری آنکھیں ہیں اشک ریز
یہ سانحہ سہی مگر اتنا اہم نہیں

اس واقعہ کے کوئی دو برس بعد صوفی محمد اکبر نے برزلہ میں حق خود ارادیت کے حصول کے لئے " محاذ آزادی " قائم کیا اور ۲۰ مئی ۷۷ء کو اخباری نمائندوں کی ایک کانفرنس میں اس کا باضابطہ اعلان کیا اور کہا کہ نئی پارٹی بین الاقوامی طور پر منظور شدہ اصولوں کے تحت یا حق خود ارادیت یا اور کسی متبادل ذریعے سے حصول آزادی اور مسئلہ کشمیر کے حل کے لئے جدوجہد کرے گی۔ رائے شماری مقصد نہیں بلکہ حصول مقصد کا ایک ذریعہ ہے

۲۹ جولائی ۷۷ء کو گول باغ میں محاذ آزادی کے تحت بلائے گئے پہلے عام جلسے سے خطاب کرتے ہوئے صوفی محمد اکبر نے کہا کہ ۳۷۰ ایک خالی تھیلا ہے۔ جس کے نام پر دونوں فریق نیشنل کانفرنس اور جنتا پارٹی عوام کو گمراہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے الیکشن کے بارے میں کہا کہ ہم ان سے لاتعلق رہیں گے ان کا بائیکاٹ نہیں کریں گے۔

جامع مسجد میں ڈاکٹر آدم ملک

۳۰ جولائی ۱۹۷۵ء کو انڈونیشیا کے وزیر خارجہ ڈاکٹر آدم ملک سری نگر پہنچ گئے۔ یکم اگست کو وہ وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کے ہمراہ سرینگر کی جامع مسجد دیکھنے گئے' ایمرجنسی کے دن تھے' لوگ شیخ عبد اللہ سے بے زار تھے۔ چنانچہ وہ مشتعل ہو گئے۔

اور انہوں نے وزیر اعلیٰ کا گھیراؤ کیا' جس میں ڈاکٹر ملک بھی پھنس گئے۔ ہجوم نے رائے شماری اور پاکستان کے حق میں نعرے لگائے۔ اس واقعہ کے بعد شہر کے سینکڑوں لوگ حراست میں لئے گئے' اور مختلف قسم کے مقدمات میں پھنسا دیئے گئے۔

کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی محاذ آرائی

کشمیر کانگریس کے لیڈر بادل ناخواستہ ہی شیخ محمد عبداللہ کے حق میں اقتدار سے دست بردار ہو گئے تھے لیکن ان کی نچلی صفوں اور انتہا پسندوں نے دل سے اس تبدیلی کو قبول نہ کیا تھا۔ وہ موقعہ کی تلاش میں بیٹھ کر شیخ عبد اللہ کے خلاف اپنی پروپیگنڈا مہم چالو کرانے کے لئے بے قرار تھے۔ جب انہوں نے دیکھ لیا کہ وزراء کی کونسل میں ان کے وزیر برائے نام ہیں اور اصل پالیسی ساز کانفرنسی ہیں تو انہوں نے پہلے تو کانفرنس کے خلاف خفیہ اور پھر کھلم کھلا مہم شروع کر دی۔ وزیر اعلیٰ نے انہیں خبردار کیا کہ کانگریس کو سرکاری پالیسیوں کی مذمت زیب نہیں دیتی کیونکہ وہ خود بھی حکومت میں شریک کار ہیں۔ ۱۹۷۵ء میں دونوں پارٹیوں نے ایک دوسرے کے خلاف محاذ آرائی کا علی الاعلان آغاز کر دیا۔ یہ سلسلہ بند کرنے کے لئے وزیراعظم مسز اندارا گاندھی ۹ اکتوبر ۷۵ء کو سری نگر پہنچ گئیں۔ اس سے پہلے ۸ اکتوبر کو لال چوک میں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ وزیراعظم کا یادگار استقبال کریں۔ انہوں نے کہا کہ وزیراعظم کے ساتھ ہمارے تین قسم کے تعلقات ہیں۔ شریمتی گاندھی کشمیری نژاد ہیں۔ ان کے خاندان نے خود کو ہماری تحریک کے ساتھ وابستہ کیا تھا اور وہ ہندوستان کی وزیراعظم ہیں لیکن ریاستی کانگریس پر سخت حملہ کرتے ہوئے وزیراعلیٰ نے کہا کہ یہ لوگ بہروپی بن کر ہماری عزت کا سودا کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے کروڑوں کی جائیدادیں بنائی ہیں اور شراب کے خم لنڈھائے ہیں۔ وزیراعظم نے کانگریسیوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ تم لوگ جنہوں نے سال ہا سال اپنی زندگی شراب نوشی میں گزاری کیا سمجھ رہے ہو کہ قوم تمہارے سامنے سجدہ کرے گی' ان کے لئے ایک ہی صورت ہے کہ وہ عوام کے سامنے اپنا حساب پیش کریں۔ اگر عوام انہیں چھوڑ دیں گے تو ہم بھی انہیں چھوڑ دیں گے کانگریس نے دس سال میں ریاست کو قرض میں ڈبو دیا' ریاست کی تمام آلودگی اور بد اخلاقی کانگریس کے دس

برسوں کا ورثہ ہے۔ یہاں لڑکیوں کے لئے باہر نکلنا نہایت دشوار تھا۔ امتحانات میں نقل کرنا معمول بن گیا تھا۔ بہر حال مسز گاندھی کا استقبال کرنے کے لئے کانگریس اور کانفرنس دونوں نے ایک دوسرے پر بازی لینے کی کوشش کی۔

۱۷ اکتوبر ۱۹۷۵ء کو مجاہد منزل میں وزیراعلیٰ نے اپنے پارٹی ورکروں سے کہا:۔

" میں شریمتی اندرا گاندھی کے زیادہ قریب ہوں۔ اندرا جی کی عزت ہماری عزت ہے۔ اس کے باوجود ان کا حق ہے کہ وہ ہم کو بھی وہی اعتماد دیں جس کا اظہار وہ کانگریسیوں سے کر رہی ہیں۔ یہ ان کا اپنا حق ہے"۔

شیخ عبد اللہ نے ریاست میں کانگریس کا وجود نیشنل کانفرنس کے لئے ایک چیلنج قرار دیا۔

کشمیر میں اپنے دو حلیفوں۔ کانگریس اور نیشنل کانفرنس کی باہمی چپقلش پر مسز گاندھی کو سخت تشویش تھی چنانچہ وہ ۲۷ مارچ ۱۹۷۶ء کو دو روزہ دورے پر جموں پہنچ گئیں۔ ۲۸ مارچ کو مسزاندارا گاندھی کے اعزاز میں دیئے گئے ایک استقبالیہ میں وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے کہا۔

" ہمیں راستہ بدلا نے میں ایک راہنما کی ضرورت تھی خوش قسمتی سے خدا تعالیٰ نے ہمیں وہ رہنما مسز گاندھی کی شکل میں دے دیا"۔

مسز گاندھی کے اعزاز میں ایک الوداعی جلسے میں وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے کہا۔

" اے لوگو! میں تین نعرے دوں گا۔ تم ان کا جواب اس زور سے دو کہ جب مسز گاندھی پالم کے ہوائی اڈے پر اترے تو یہ نعرے وہاں بھی اس کے کانوں میں گو نجتے رہیں"۔

اس کے بعد وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے مسز گاندھی کی ذات اور ہندوستان کے حق میں تین تین بار نعرے بلند کئے۔

۲۹ مئی ۱۹۷۶ء کو کوکر ناگ کے عوامی جلسے میں کانگریس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے کہا کہ یہ لوگ مداریوں کا روپ دھار کر عوام کو گمراہ کرنے کی کوشش کر رہے ہیں یہاں تک کہ اپنے جلسے کامیاب بنانے کے لئے اخلاق سوز طریقے استعمال کرتے ہیں اور میری حکومت کے خلاف ڈھٹائی سے زہر افشانی کر

رہے ہیں۔ کشمیر اکارڈ کی عمل آوری ایک مشترک فرض ہے اور کسی ایک فریق کو زیب نہیں دیتا کہ وہ دوسرے فریق کے خلاف زہر افشانی کرے۔

۲۴ ستمبر ۱۹۷۶ء کو شاہی مسجد میں ایک بھاری جلسے سے خطاب کرتے ہوئے شیخ محمد عبداللہ نے کانگریس پر زبردست تنقید کی اور کہا کہ اگر کانگریسیوں کا یہ خیال ہے کہ اقتدار سپرد کرنے سے ہماری ۱۹۳۱ کی تحریک ختم ہو گئی ہے تو وہ ان کی غلط فہمی اور خام خیالی ہے۔ وہ چاہیں تو اسمبلی میں عدم اعتماد کر کے اقتدار مجھ سے واپس لے سکتے ہیں"۔

پارلیمنٹ کے انتخابات

حزب اختلاف کو متحد کرنے کی ناکام کوشش

۱۸ جنوری ۱۹۷۷ء کو وزیراعظم مسز اندرا گاندھی کے ایک غیر معمولی شبانہ نشریئے کے مطابق صدر فخرالدین علی احمد نے ہندوستان کے ایوان زیریں کو توڑ کر عام انتخابات کے لئے مارچ کا مہینہ مقرر کیا۔ اس اعلان کے بعد ریاست میں بھی مختلف سیاسی عناصر نے کھسر پھسر اور جوڑ توڑ کا آغاز کیا۔ اور نیشنل کانفرنس اور صوبائی کانگریس کمیٹی سرگرم ہو گئی

وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے دونوں کو آپسی مقابلہ آرائی سے باز رکھا' اور دونوں نے ریاست کی پارلیمانی نشستیں آپس میں تقسیم کر دیں۔ سری نگر اور بارہ مولہ نیشنل کانفرنس کو اور اسلام آباد کانگریس کو ملی۔ اس انتخابی گٹھ جوڑ کے باوجود دونوں پارٹیاں ایک دوسرے کے خلاف خفیہ طور پر مصروف عمل رہیں۔ نیشنل کانفرنس نے سری نگر کی پارلیمانی نشست سے وزیراعلیٰ کی اہلیہ بیگم اکبر جان اور بارہ مولا سے خواجہ عبدالاحد وکیل کو کھڑا کیا' اور اسلام آباد کی نشست سے کانگریس کے محمد شفیع قریشی کھڑے کئے گئے۔

نیشنل کانفرنس کی نامزدگیاں اس کے بیگ گروپ کو ناگوار گذریں اور بیگ نواز عناصر اپنی تنظیم کے امیدواروں کے خلاف درپردہ ایک مہم چلانے میں مصروف ہو گئے۔ کیونکہ کانفرنس کے غلام محمد شاہ گروپ کو نامزدگیوں کے وقت بیگ گروپ پر ترجیح دی گئی تھی عوام نے کانفرنس اور کانگریس کا گٹھ جوڑنا پسند کیا' اور وہ ان دونوں کا مقابلہ کرنے کے لئے دوسری اپوزیشن پارٹیوں کی طرف دیکھتے رہے۔ دوسری طرف سے لوگ معاہدہ دہلی پر بھی کاری ضربیں مارنے کے لئے الیکشن مہم میں تیار کھڑے تھے۔ نیشنل کانفرنس اور اس کے قائد کے خلاف وادی بھر میں ناراضگی کی جو لہر پھیل چکی تھی' اس کا سود مند اور موزوں استعمال کرنے کے لئے وادی میں کوئی قابل ذکر تنظیم موجود ہی نہ تھی۔ اور اندرا عبداللہ اکارڈ کے مخالفین منتشر تھے۔ حزب اختلاف کے رہنماؤں کی کوئی متحدہ حکمت عملی نہ تھی۔ اور وہ سب اپنی اپنی ڈیڑھ ڈیڑھ اینٹ والی مسجدوں میں بند تھے۔ بہرکیف میں نے وقت کی صورت حال کو محسوس کرکے ایک شام میرواعظ مولانا محمد فاروق سے ملاقات کی۔ جو اس وقت اپنے بیڈروم میں ایک

پلنگ پر لیٹے ہوئے تھے۔ میں نے ان سے کہا کہ اس وقت لوگ ایک متحدہ آواز کی رہنمائی میں نیشنل کانفرنس اور صوبائی کانگریس دونوں کے خلاف لڑ کر معاہدہ دہلی اور لینڈ گرانٹس ترمیمی ایکٹ کو ایک انتخابی ایشوع بنانے کے حق میں ہیں۔ ان دونوں اقدامات سے عوام کے جذبات مجروح ہوئے ہیں' اور کشمیر کی رسوائی ہوئی ہے۔ مولوی صاحب نے میری تجویز کے فوائد' پس منظر' تہہ منظر اور پیش منظر سے اتفاق کرتے ہوئے کہا کہ میں خود بھی اس بات کے لئے تیار ہوں۔ بشرطیکہ دوسرے یکساں خیالات رکھنے والے لوگ اور پارٹیاں اس قسم کے مجوزہ اتحاد میں شامل ہوں۔ چنانچہ ان کے کہنے پر میں مولانا سعد الدین (امیر جماعت اسلامی ممنوعہ) مولانا عباس انصاری (شیعہ رہنما) صوفی محمد اکبر اور پیپلز لیگ کے لیڈروں سے الگ الگ ملاقی ہوا۔ مولانا سعد الدین نے تجویز کے ساتھ اتفاق کر لیا۔ مولانا محمد عباس انصاری اس سوال پر غور کرنے کے لئے ایک ایسی مشترکہ میٹنگ میں شامل ہونے کے لئے تیار تھے۔ جو میر واعظ منزل سے باہر کسی اور مقام پر منعقد کی جائے۔ کیونکہ ان کے خیال میں مولوی محمد فاروق ذاتی ساکھ کے لئے زیادہ فکر مند رہتے ہیں اور اپنے مفادات کو زیادہ عزیز رکھتے ہیں۔ دوسری طرف سے مولوی محمد فاروق کا خیال تھا کہ میرواعظ منزل کو ایک تاریخی حیثیت حاصل ہے۔ اور بقول ان کے حزب اختلاف کی تاریخی میٹنگیں اسی عمارت میں منعقد ہوئی ہیں۔ سری نگر میں انفرادی ملاقاتوں کے بعد راقم اور پیپلز لیگ کے فضل الحق قریشی' صوفی محمد اکبر سے ملاقات کرنے کے لئے سوپور چلے گئے۔ صوفی صاحب سے ہماری طویل ملاقات ہوئی۔ جس میں انہیں سرینگر آکر مخالف لیڈروں کی میٹنگ میں شرکت کرنے کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے کشمیر اکارڈ اور محاذ رائے شماری کی نیشنل کانفرنس میں تبدیلی کے سوالات پر کافی باتیں کیں۔ اور ان اقدامات کی خوب مرثیہ خوانی کی۔ وہ حق خودارادیت کے حصول کی خاطر ایک نئی تنظیم کے قیام کی باتیں کرتے رہے۔ انہیں کسی قسم کے متحدہ اپوزیشن محاذ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ وہ ایکشن کمیٹی برائے حصول موئے مقدس کے نو پارٹی محاذ کا انجام یاد دلا رہے تھے اور اصرار کر رہے تھے کہ میں خود ہی ایک نئی تنظیم کسی کے ساتھ اتحاد کئے بغیر قائم کروں گا۔ وہ اپنی منزل مقصود کو ہنگامہ انتخابات سے بہت بلند اور مختلف تصور کر رہے تھے۔ اور زور دے کر کہہ رہے تھے کہ ہمارا اصل مدعا الیکشن لڑکر حاصل نہیں ہو سکتا۔ لیکن وہ الیکشن سے بائیکاٹ کروانے کی تجویز یا اس قسم کے بائیکاٹ کے لئے اپیل کرانے کے

بھی حامی نہ تھے۔ ان کو اعتراف تھا کہ الیکشن لڑنا اور ووٹ ڈالنا آج کل کشمیر کے عوام کا زور دار رجحان بن گیا ہے۔ اگر ہم بائیکاٹ کی اپیل کریں تو ہمیں اپنی بے عزتی کے بغیر اور کچھ حاصل نہ ہو گا۔ یوں وہ نہ تو الیکشن سے بائیکاٹ اور نہ الیکشن میں حصہ لینے کے حق میں تھے۔ وہ اس بات کے حق میں بھی نہ تھے کہ حکمران تنظیم کے امیدوار کسی مقابلہ کے بغیر ایوان اسمبلی میں جائیں' اور جب ان سے کہا گیا کہ وہ خود بھی کسی سیٹ پر میدان الیکشن میں اتریں' تو انہوں نے اتفاق نہیں کیا۔ البتہ وہ ضرور ان انتخابات میں کسی ایسے امیدوار کا کھڑا ہو جانا پسند کرتے تھے جس کو آگے لا کر معاہدہ دہلی کے خلاف رائے عامہ متحرک کر دی جائے۔ وہ عجیب قسم کے ذہنی تصادم میں گرفتار تھے۔ چونکہ دوسرے روز بارہ مولہ میں نیشنل کانفرنس کے عبدالاحد وکیل کی طرف سے کاغذات نامزدگی دائر کرنے کا پروگرام تھا۔ اس موقعہ پر کانفرنسیوں کا جلوس بھی نکلتا اور عین ممکن تھا کہ وہ اپنے پرانے معمر رفیق کی آشیرباد لینے کے لئے ان کی رہائش گاہ پر بھی آ جاتے۔ وہ اس قسم کے امکانی موقعہ پر گھر میں اپنی موجودگی کو مناسب تصور نہیں کرتے تھے۔ اس لئے انہوں نے سرینگر آ کر مولوی محمد فاروق سے ملنے کا پروگرام بنایا' وہ رات کو سری نگر آئے' اور کئی روز تک ان کا قیام سرینگر میں رہا۔ مولوی محمدفاروق سے ملاقات کی' اور حق خود ارادیت پر اصرار کرتے ہوئے اپنا نکتہ نگاہ پیش کیا۔

وقت تیزی کے ساتھ دوڑ رہا تھا۔ لوگ اپوزیشن کے امیدوار کا نام سننے کے لئے سخت بے تاب تھے۔ اور اخبارت بھی اپنی اپنی صحیح و غلط قیاس آرائیوں میں لگے ہوئے تھے۔ اسی اثناء میں مولوی فاروق صوفی محمد اکبر اور مولوی عباس انصاری کی الگ الگ میٹنگیں ہوئیں اور ایک الیکشن متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے مولوی محمد فاروق کے ہاں ممنوعہ جماعت اسلامی' پیپلز لیگ اور پولیٹکل کانفرنس کے لیڈروں کے درمیان کئی شبانہ میٹنگیں ہوئیں۔ میں بھی ان میٹنگوں میں شریک رہا۔ بڑی گرما گرم بحثیں ہوئیں۔ وقت کے تقاضوں اور بنیادی ضرورت پر سب کا اتفاق تھا' لیکن فی الوقت کسی متحدہ محاذ کے قیام پر اتفاق نہ ہو سکا۔ اس بات پر سب متفق تھے۔ کہ الیکشن مہم کو حق خودارادیت کے حق میں اور معاہدہ دہلی کے خلاف استعمال میں لایا جائے۔ میٹنگ کے اختتام پر مجھ سے متفقہ طور پر سری نگر کی پارلیمانی نشست پر کاغذات نامزدگی دائر کرنے کے لئے کہا گیا' اور فضل الحق قریشی کو میرا کورنگ امیدوار

قرار دیا گیا اس فیصلے کی رو سے ہم دونوں آزاد امیدواروں کی حیثیت سے میدان میں آنے والے تھے۔ لیکن دوسرے روز مجھے یہ جان کر سخت حیرت ہوئی کہ میر واعظ مولوی محمد فاروق نے اپنا فیصلہ بدل لیا ہے۔ ان کے ساتھ کئی گھنٹے تک بات چیت ہوئی۔ انہوں نے اصرار کیا کہ میں میدان الیکشن کے لئے کاغذات نامزدگی دائر کرنے سے باز رہوں۔ انہوں نے ہمیں متاثر کرنے کے لئے عجیب قسم کے دلائل دیئے۔ مولوی محمد فاروق نے کہا کہ حق خودارادیت کا حصول نہ کہ انڈین پارلیمنٹ کی سیٹ ہمارا مقصود زندگانی ہے۔ انہوں نے کہا کہ انڈین پارلیمنٹ میں داخل ہو کر ہم جیسے لوگ ریاست کے مسائل سے دور ہو جائیں گے۔ اور ہندوستان کے قومی دھارے میں بہہ جائیں گے۔ ہمیں ریاست کے مسائل کی خاطر صرف ریاست کے اندر رہنا ہو گا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ حلقۂ انتخاب میں میں اپنے تمام ووٹروں کو ووٹ اندازی سے باز رکھوں گا۔ اس طرح آپ ایک خاصے بڑے حصے سے محروم ہوں گے۔ مولوی محمد فاروق نے کہا کہ شیعہ ووٹ بہرحال آپ کو نہیں ملیں گے' وہ مولوی افتخار انصاری کو چلے جائیں گے۔ انہوں نے کہا کہ میں الیکشن سے بائیکاٹ کے حق میں بھی نہیں ہوں اور بیگم عبداللہ کی بلا مقابلہ کامیابی کے حق میں بھی نہیں۔ بیگم عبداللہ کا برائے نام مقابلہ ضرور ہونا چاہئے۔ اور اس قسم کے کئی لوگ بہرحال میدان میں موجود ہیں۔ دوسرے روز ریٹرننگ آفیسر کے احاطے میں لوگ ہمارا انتظار کر رہے تھے۔ میں نے ان پر ساری صورت حال واضح کی۔ لیکن وہ برابر اصرار کرتے رہے۔ آخر ان کے اصرار پر فضل الحق صاحب قریشی کے کاغذات نامزدگی دائر کئے گئے۔ اگرچہ وہ بھی تیار نہ تھے۔ ہم نے انہیں تیار کیا۔ ریٹرننگ آفیسر کے دفتر سے باہر آتے ہی خفیہ پولیس نے موصوف کو گرفتار کیا اور بعد میں ان کے کاغذات نامزدگی رد کئے گئے۔

نیشنل کانفرنس کی کامیابی کے اسباب

اب میدان میں بیگم عبداللہ کے مقابلے میں مولوی افتخار انصاری تھے۔ جو چند روز پہلے کانگریس سے مستعفی ہو کر ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں آئے تھے' اور انہوں نے اپنی حمایت کے لئے مولوی محمد فاروق سے رابطہ قائم کیا تھا۔ ابتداء میں سری نگر میں عبداللہ مخالف لہر تھی۔ لیکن رفتہ رفتہ اس کا زور شور ٹوٹ گیا۔ انتخابی مہم نے شیعہ سنی اور شیر بکرا رنگ اختیار کیا۔ نیز مولوی افتخار انصاری کے

کانگریسی ماضی نے بہت سارے ووٹرگوشہ نشین ہونے پر مجبور کئے نیشنل کانفرنس کی امیدوار بیگم عبداللہ کے حق میں سرکاری ایڈمنسٹریشن کا استعمال بھی ہو رہا تھا۔ سری نگر کے حلقہ انتخاب میں سخت دھاندلیاں ہوئیں۔ لیکن دھاندلیوں کے بغیر بھی کانفرنسی امیدوار کے جیتنے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ اس لئے کہ شیعہ سنی اور شیر بکرا رنگت نے پھر سے بہت سارے بددل نیشنل کانفرنسیوں کو بیگم عبداللہ کا ساتھ دینے کے لئے اکسایا تھا۔ ادھر بارہ مولہ کے حلقہ انتخاب کے سب ہی دیہات میں نیشنل کانفرنس زوروں پر تھی۔ ممنوعہ جماعت اسلامی کے نظربند امیدوار سید علی گیلانی کے حامیوں کاسارا زور اہم قصبوں میں مظاہروں میں صرف ہو گیا۔ اردگرد کے دیہات کی ان پڑھ آبادی پر ان کا کوئی اثر نہ ہوا۔ اس طرح سری نگر اور بارہ مولہ کی دونوں سیٹیں نیشنل کانفرنس نے حاصل کیں۔ اور اسلام آباد کی سیٹ کانگریس نے حاصل کی۔ جہاں کانگریس مخالف امیدواروں کے ووٹ بٹ گئے۔

ادھرہندوستان میں جنتا پارٹی نے حکمران کانگریس جماعت کو حیرت انگیز طور پر شکست دے کر اقتدار حاصل کرلیا۔ اس انتخاب میں خود وزیراعظم مسزاندرا گاندھی' ان کے صاحبزادے سنجے گاندھی اور بڑے بڑے کانگریسی وزیر وامیرہار گئے۔ ۲۲ مارچ کو ہاری ہوئی حکومت نے سارے ملک سے ایمرجنسی ہٹائی' اور تمام خلاف قانون تنظیموں کا وجود پھر سے بحال کیا۔ ۲۳ مارچ کوانڈین نیشنل کانگریس ۳۰ برس تک حکومت کرنے کے بعد اقتدار سے محروم ہو گئی اور جنتاپارٹی کے مسٹر مرار جی ڈیسائی نے ۲۴ مارچ کو وزیراعظم ہندوستان کی حیثیت سے حلف وفاداری اور رازداری اٹھایا۔

کشمیر اسمبلی کے انتخابات

ہندوستان میں کانگریس کی شکست فاش کے بعد کشمیر میں شیخ محمد عبداللہ کے مخالفین کے حوصلے بلند ہو گئے۔ ۲۵مارچ کو صوبائی کانگریس کمیٹی نے عبداللہ حکومت سے اپنی حمایت واپس لے کر اس کو تنہا چھوڑ دیا۔ اس خبرپر کشمیر میں پٹاخے چھوڑے گئے' اور سری نگر میں چراغاں کیا گیا۔ پردیش کانگریس نے مفتی محمد سعید کو اپنی لیجسلیچر پارٹی کا نیا لیڈر چن لیا' اور انہوں نے گورنر جہا سے درخواست کی کہ انہیں ریاست کی نئی کابینہ تشکیل دینے کی دعوت دی جائے۔ یہ حقیقت ہے کہ پردیش کانگریس اور نیشنل کانفرنس کاملاپ کبھی بھی دلوں کا ملاپ نہیں تھا۔ بلکہ ہمیشہ اوپر سے ٹھونسا جاتا رہا۔ اب جب کہ پردیش باڈی نے دیکھ لیا کہ مرکز میں ان کا اقتدار ٹوٹ گیا اور یہ محسوس کر لیا کہ آنے والے ریاستی انتخابات میں وہ مکمل طور پر نیست ونابود ہو جائیں گے' اس لئے انہوں نے خیال کیا کہ کیوں نہ وہ نئی وزارت خود تشکیل دے کرآنے والے انتخابات اپنی نگرانی میں کرائیں' اور اقتدار کے دوبارہ حصول کو اپنے لئے یقینی بنائیں۔

شیخ عبداللہ کے خلاف بحران پیدا کرنے کی کوششوں کے خلاف ۲۶ مارچ کو نیشنل کانفرنس والوں نے شہر میں جزوی ہڑتال کرائی' جو اب میں مخالفوں نے مظاہرے کئے اور مخالف گروپوں نے ایک دوسرے کے خلاف سنگباری کی۔ ان حملوں کے دوران شہر میں کاروبار معطل ہو گیا' اور حکومت نے تعلیمی اداروں کو بند کر دیا۔ اسی اثناء میں بعض عناصرنے شہر میں شیعہ' سنی فرقہ وارانہ فسادات بھڑکانے کی ناکام کوشش کی۔ صورت حال کے پیش نظر وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی سفارشات پر ۲۷ فروری کو گورنر جہا نے اسمبلی توڑنے' عام انتخابات کرانے اور گورنر راج کے نفاذ کا اعلان کر دیا۔ گورنر راج کے نفاذ کے بعد کشمیر میں نیشنل کانفرنس اور اس کے مخالفوں کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ تیز تر ہو گیا۔ اندرونی شہر میں مخالف گروہوں کے درمیان کشیدگی بڑھ گئی۔ ۶ اپریل کو طلباء نے امیراکدل میں شیخ محمد عبداللہ کے خلاف مظاہروں کی رہنمائی کی۔ اور غنڈہ گردی کے واقعات کی مذمت کی۔ انہوں نے اسمبلی

کے لئے آزاد اور دبے ریا انتخابات اور اوقاف اسلامیہ سری نگر کے محاسبے کا مطالبہ کیا۔

شیخ عبداللہ کی آمد

وزارت سے استعفیٰ دینے کے بعد شیخ محمد عبداللہ پہلی بار ۷ اپریل کو جموں سے سری نگر پہنچ گئے۔ لال چوک میں شیخ محمد عبداللہ کا زبردست استقبال ہوا۔ لیکن سیکورٹی کے زبردست بندوبست میں انہوں نے بیس منٹ تک عوام سے خطاب کیا' اور کشمیر میں جنتاپارٹی کے داعی خواجہ غلام محی الدین قرہ اور کانگریس پر کڑی تنقید کی۔ شیخ محمد عبداللہ نے اعلان کیا کہ وہ کشمیر کی تقدیر جنتا پارٹی کے سپرد کرنے کی اجازت نہیں دیں گے شیخ کی آمد سے پہلے رات کو پولیس نے بہت سارے طلبہ کو گرفتار کر لیا تھا۔ جموں سے سری نگر کا سفر کرتے ہوئے کھنہ بل میں طلبہ نے ان کی تقریر کے دوران مظاہرے کئے۔ جس سے نیشنل کانفرنس اور اس کے مخالفوں کے درمیان تصادم ہوا' اور پولیس نے اشک آور گیس کے گولے پھینکے نیشنل کانفرنس کے حامی مقامی کالج کیمپس میں داخل ہوئے' جہاں پولیس اور حملہ آوروں نے مبینہ طور پر کمروں میں گھس کر طلباء طالبات اور اساتذہ کی مار پیٹ کی ادھر سری نگر کے اندرونی علاقوں میں بھی مخالفین کے درمیان ایک دوسرے کے خلاف پتھراؤ کے واقعات رونما ہوئے۔ اور ۱۱ اپریل کو امیراکدل میں طلباء طالبات نے شیخ محمد عبداللہ کے خلاف ایک احتجاجی جلوس نکالا۔ جلوس نے بے قابو ہو کر نیشنل کانفرنسی دفتروں کے بورڈ اور جھنڈے اتار کر نذر آتش کردیئے۔ رات کے سات بجے نواب بازار میں مخالف گروپ ایک دوسرے سے لڑ پڑے' اور پتھروں کا استعمال کیا۔ لا اینڈ آرڈر کی بگڑتی ہوئی صورتحال کو دیکھ کر حکومت نے ایک ماہ کے لئے سرینگر کی میونسپل حدود میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی

سری نگر میں جنتا یونٹ

کشمیر میں جنتاپارٹی کی لہر پھیل چکی تھی' اور لوگ سوچے سمجھے بغیر جنتائی بننے کا اعلان کر رہے تھے۔ اس لہر میں کشمیر کے چند کہنہ مشق سیاست کار اور اچھے نوجوان بھی بہہ گئے۔ سب سے پہلے کشمیر میں جنتا پارٹی کے پھیلانے میں کشمیر موٹر ڈرائیورس

ایسوسی ایشن نے منظم رول انجام دیا۔ خواجہ غلام محی الدین قرہ بھی جنتا پارٹی کی طرف دعوت دینے لگے۔ اور مولانا محمد سعید مسعودی بھی اپنی رہائش گاہ پر اس تنظیم کی ثناء خوانی میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اس زمانے میں گاندر بل میں مولانا مسعودی سے کئی بار ملاقاتیں کیں۔ لیکن وہ روز بروز جنتا پارٹی کی لہر پر خود بھی نثار ہوتے جا رہے تھے۔اور ہماری یہ تجویز ماننے سے انکار کرتے رہے کہ علاقائی پارٹیوں کا ایک متحدہ محاذ قائم کیا جائے جو انتخابات میں حصہ لے۔ وہ ایک ایسی پارٹی کی ایڈہاک کمیٹی بنانے پر اصرار کر رہے تھے' جو جنتا پارٹی کہلائے گی۔ اور جس میں جماعت اسلامی اور عوامی ایکشن کمیٹی والے بھی اپنے نمائندے بھیج دیں۔ اور ان میں سے جو کوئی بھی کشمیر اسمبلی کے انتخابات میں شریک ہو جائے۔ وہ جنتاپارٹی کے اقتدار کا سہارا لے کر کشمیر کے اسمبلی انتخابات میں حصہ لینے کے قائل تھے انہوں نے بہت سارے نوجوانوں کو اپنی بات کا قائل کر دیا تھا۔ عوامی ایکشن کمیٹی والوں میں بھی وہ اس تجویز کے حق میں حوصلہ افزا تاثرات پا رہے تھے۔ اور جماعت اسلامی کو بھی قائل کرنے کے لئے سر توڑ کوششیں جاری تھیں۔ دوسری طرف سے نیشنل کانفرنس بھی کشمیر کی مقامی جماعتوں کے اشتراک سے مرکزی تنظیم جنتا پارٹی کا مقابلہ کرنے کے لئے یہاں کی مقامی تنظیموں **مثلاً** جماعت اسلامی اور عوامی ایکشن کمیٹی کے ساتھ رابطہ قائم کر رہی تھی اور نیشنل کانفرنس کے ساتھ جماعت اسلامی کی کئی خفیہ میٹنگیں بھی ہوئیں۔

۲۶ اپریل کو نئی دہلی میں اشوک مہتہ نے ایک اعلان کے ذریعے مولانا مسعودی کو کشمیر میں جنتا پارٹی کا کنوینر نامزد کر دیا۔ اور ۲۷ اپریل کو ریاستی جنتا پارٹی کے یونٹ کی تشکیل کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ جس میں خواجہ غلام محی الدین قرہ' مولوی افتخار حسین انصاری' خواجہ غلام رسول کوچک شمیم احمد شمیم۔ خواجہ عبدالغنی لون' چوہدری محمد شفیع' غلام نبی اونتو۔ مسٹر اوم پرکاش صراف' سردار سنت سنگھ تیغ۔ محمد امین نحوی چمن لال وغیرہ لئے گئے۔ اس اعلان کے بعد جب میں نے گاندر بل میں مولانا مسعودی سے ملاقات کی اور جنتا پارٹی میں شمولیت کا سوال پوچھا تو انہوں نے اپنی عادت اور فطرت کے مطابق اس کا جواب پراسرار اور مبہم بنانے کی کوشش کی۔ انہوں نے کہا کہ مرکز کے جنتا لیڈر یہاں آگئے انہوں نے مجھے مجبور کر دیا' اور کہا کہ اگر آپ نے ہماری درخواست مسترد کر دی تو ہم یہاں دھرنا لگائیں گے۔ خیر انہوں نے خود ہی میرا نام فہرست میں شامل کرلیا ہوگا۔ میں ایک بیمار آدمی ہوں۔ صرف مشورہ

دے سکتا ہوں الیکشن میں سرگرم حصہ نہیں لے سکوں گا۔

کئی ماہ کے بعد مولانا مسعودی اور مولانا فاروق کا رابطہ بحال ہو گیا مولوی محمد فاروق گاندر بل گئے۔ انہوں نے مولانا مسعودی سے ملاقات کی' اور بعد میں مولانا محمد فاروق کے گھر' مولانا مسعودی کا آنا جانا شروع ہو گیا' اور آخر کار وہ جنتا پارٹی کے لئے سرگرم ہو گئے۔۶ مئی ۷۷ء کو میرواعظ مولوی محمد فاروق نے شیر کشمیر میونسپل پارک جا کر پہلی انتخابی تقریر کی۔ انہوں نے جنتا پارٹی کی غیر مشروط حمایت کا اعلان کر دیا' اور دعویٰ کیا کہ کچھ بھی ہو اس الیکشن میں نیشنل کانفرنس کامیاب نہیں ہو گی۔ ان کی تقریر کے بعد رات کو نواب بازار میں عوامی مجلس عمل اور نیشنل کانفرنس کے حامیوں کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ جن میں ایک دوسرے پر پتھر برسائے گئے۔

میرواعظ مولوی محمد فاروق کی تقریر اور جنتاپارٹی کے حق میں ان کے غیر مشروط اعلان کے بعد مولوی صاحب کے خلاف ناراضگی کی لہر پھیلنے لگی۔ شیخ محمد عبداللہ کے مخالفوں نے بھی ان کے اپروچ اوراعلان کو ناپسند کیا۔ کیونکہ لوگ نیشنل کانفرنس کا مقابلہ جنتا پارٹی کے ساتھ گٹھ جوڑ کرکے کرنے کے سخت خلاف تھے۔ اس صورت حال نے عوامی مجلس عمل اور جماعت اسلامی کے درمیان انتخابی اشتراک کی بات چیت بھی متاثر کر دی۔ جماعت اسلامی کے حلقوں میں بھی جنتا پارٹی کے ساتھ اشتراک عمل کے خلاف شورو شر پیدا ہوا۔ حالانکہ جماعت اسلامی میں بھی بعض لوگ جنتا پارٹی کے ساتھ انتخابی اشتراک کے لئے آمادہ نظر آرہے تھے۔ دوسری طرف سے سیٹوں کی تقسیم پر بھی جماعت اسلامی اور جنتا پارٹی کے درمیان اتفاق نہ ہو سکا' اور آخر کار جماعت نے آخری وقت پراپنے امیدواروں کا اعلان کر دیا۔ تاہم اس نے نیشنل کانفرنس کانگرس پارٹی اور جنتا پارٹی کے سرکردہ رہنماؤں کے خلاف اپنا کوئی امیدوار میدان میں نہیں جھونکا۔

میں نے اصولی طور پر اس بات کی زبردست کوشش کی کہ مولوی محمد فاروق جنتا پارٹی میں شامل نہ ہوں۔ اور نہ اپنی حق خود ارادیت نواز تنظیم کو اس پارٹی کا دم چھلہ بنائیں۔ لیکن مولانا مسعودی کی منطق نے ان کو صرف جنتا پارٹی کے اندر اپنے اقتدار و اختیار کی گارنٹی دلائی تھی۔ اب وہ شیخ عبداللہ کی دیکھا دیکھی کشمیری عوام کے لئے حق خودارادیت کے مطالبے کا رہا سہا لبادہ بھی پھاڑ دینا چاہتے تھے۔ اسی راہ پر گامزن ہونے کے لئے بے قرار تھے۔ جس پر محاذ رائے شماری کے لیڈر چل کر مسند

اقتدار پر بیٹھ گئے تھے' اور حق خودا رادیت کے معاملے میں اپنے گذشتہ بیانات کو اسی طرح بھلا رہے تھے' جس طرح شیخ محمد عبداللہ اور مرزا محمد افضل بیگ بھول چکے تھے۔ لیکن انہوں نے حق خود ارادیت کے مطالبے کو دفن کرنے کے لئے ایک اور طریقہ نکالا۔ مولوی صاحب نے جامع مسجد میں اعلان کیا کہ وہ موجودہ حالات میں رائے شماری اور حق خودارادیت کے سوال کو تین ماہ کے لئے التواء میں ڈال رہے ہیں۔ لیکن مولوی صاحب کے کیلنڈر میں وہ تین ماہ ابھی تک ختم نہیں ہوئے ہیں۔ اس لئے حق خودارادیت کا مطالبہ بھی دوبارہ نہیں ہو سکتا۔ اصل میں یہ مطالبہ اب ان کی نگاہ میں زائد المعیاد بن چکا ہے اور ان کا اصل سوال اب یہ ہے کہ نئی دہلی کے ساتھ گہری وفاداریاں دائمی بنائی جائیں۔

اسمبلی کے لئے کاغذات نامزدگی دائر ہونے سے پہلے مولانا محمد فاروق نے مجھے جنتا پارٹی کے منڈیٹ پر بانڈی پورہ کی نشست سے انتخاب لڑنے کے لئے اصرار کیا۔ حالانکہ یہ میری آبائی جگہ تھی۔ اور یہاں مولوی صاحب کے حامی ووٹر نہیں تھے۔ میں کسی بھی قیمت پر کسی بھی ہندوستانی تنظیم کے مینڈیٹ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہ تھا اس کے برعکس میں ایک آزاد امیدوار کی حیثیت سے میدان میں اترنے کو ترجیح دے سکتا تھا۔ لیکن حزب اختلاف کی حماقتوں کو دیکھ کر میں نے الیکشن نہ لڑنے بلکہ اس مخمصے سے سرے سے ہی الگ رہنے کا فیصلہ کردیا۔

شیخ محمد عبداللہ کی علالت

۱۳ جون کو خبر آئی کہ شیخ محمد عبداللہ پر عارضۂ قلب کا حملہ ہوا ہے۔ خبروادی میں آگ بن کر پھیل گئی۔ آل انڈیا میڈیکل انسٹی چوٹ کے دو خاص ڈاکٹر شیخ کا طبی معائینہ کرنے کے لئے مولانا آزاد روڈ نمبر دس پہنچے۔ ڈاکٹروں نے مریض کو مکمل آرام کرنے کا مشورہ دیا۔ وادی میں ان کے چناؤ دورے کا پروگرام منسوخ ہوگیا اور الیکشن مہم کے سارے امور بیگم عبداللہ اور ڈاکٹر فاروق عبداللہ نے سنبھال لئے۔ شیخ محمد عبداللہ کی علالت پر قیاس آرائیوں کے گھوڑے دوڑنے لگے اور یہ سوال الیکشن مہم کا سب سے بڑا افسانہ بن گیا۔ اس خبر سے میدان الیکشن کی صورت حال بدل گئی' اور نیشنل کانفرنس کی انتخابی مہم میں کانفرنس نے موقعہ سے فائدہ اٹھانے کے لئے سارے شہر میں شیخ صاحب کی صحت یابی کے لئے دعائیہ جلوس و جلسے منظم کردیئے۔

جب ایک بار یہ لہر چل پڑی تو پھر اس کو روکنا کسی کے بس میں نہ تھا۔ الیکشن قوانین کی رو سے کوئی امیدوار اپنی انتخابی مہم کے لئے مذہب' مذہبی مقامات' آستانے اور عبادت گاہیں استعمال نہیں کر سکتا۔ لیکن کسی کی صحت و عافیت کے لئے آستانوں اور عبادت گاہوں کو استعمال کرنا کسی قانون کی رو سے جرم نہ تھا۔ لہٰذا نیشنل کانفرنس نے دعائیہ جلسوں' جلوسوں کے لئے سڑکوں' کوچوں' آستانوں اور عبادت گاہوں کا خواب استعمال کیا۔ یہی نہیں بلکہ نیشنل کانفرنس نے اپنے قائد کی درازی عمر اور صحت یابی کے لئے جگہ جگہ بھیڑوں اور بکروں کو نذر کرنے کا سلسلہ شروع کردیا۔ اور ان کا گوشت غرباء میں تقسیم کیا جانے لگا۔ شہر میں بھیڑوں اور بکروں کے ذبیحہ' نذرو نیاز کا سلسلہ بھی ہزاروں تک پہنچ گیا اور عام و خواص ووٹر اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ اس کے علاوہ دعائیہ جلوسوں میں عورتوں بچوں اور بوڑھوں کی آہ وفغان بھی رقت آمیز تھی۔ اس ہیجان انگیز صورت حال میں بستر علالت سے شیخ کی ایک تصویر "آفتاب" میں شائع ہوئی۔ تصویر بڑی اثر آفرین تھی' اور اس نے لوگوں کو اور زیادہ سیماب پا بنالیا۔ اور ریاست کے تمام علاقوں میں عبداللہ لہر اعجاز میں تبدیل ہو گئی۔ حتیٰ کہ ووٹ کا نام لئے بغیر ووٹ کی پرچی شیخ کا مقدر بن گئی۔ ان ہی حالات میں ریاستی جنتا پارٹی کی انتخابی مہم پر کشمیر آنے والوں میں وزیراعظم مرار جی ڈیسائی۔ وزیر داخلہ چرن سنگھ' وزیر دفاع جگ جیون رام اور وزیر تعمیرات سکندر بخت شامل تھے۔ ان لیڈروں کے دوروں نے کشمیر میں جنتا پارٹی کی پوزیشن کو اور زیادہ کمزور کر دیا کیونکہ انہیں کشمیر کی صورت حال اور رجحانات کا صحیح اندازہ نہ تھا۔ وزیر داخلہ چرن سنگھ نے پولو گراؤنڈ کے جلسئہ عام میں ضرور ایک حقیقت بیان کی یعنی انہوں نے اعلان کیا کہ کشمیر میں کرائے گئے گذشتہ تمام انتخابات فراڈ تھے۔ ان کے اس بیان کو کشمیر میں پسند کیا گیا' اور پہلی بار یہ تاثر ملا کہ ہندوستان میں ایسے لوگ بھی پائے جا سکتے ہیں جو وقت آنے پر مسئلہ کشمیر کی حقیقتوں کو تسلیم کرنے کے لئے مجبور بھی ہو سکتے ہیں۔ ان کے اس بیان سے اس بات کی تصدیق ہو رہی تھی کہ کشمیر کی تمام اسمبلیاں اور ان اسمبلیوں کے الحاق سے متعلق فیصلے اور اظہارات بھی باطل تھے۔ لیکن پولو گراؤنڈ اور کئی دوسرے مقامات پر وزیر دفاع جگ جیون رام کی طعنہ زنی نے لوگوں کو جنتا پارٹی کے خلاف اور زیادہ بھڑکا دیا۔ انہوں نے اپنی تقریر میں شیخ کی بیماری دل کی بات کو چھیڑ کر جس انداز میں انہیں سیاسیات سے ریٹائر ہونے کا مشورہ دیا وہ شیخ کے عقیدت

مندوں کو ہی نہیں بلکہ ان کے مخالفوں کو بھی برا لگا۔ یہ ان کی کشمیریت کے لئے ایک چیلنج تصور کیا گیا' اور وہ بے زار نظر آنے لگے۔ بارہ مولہ کے جلسئہ عام میں جگ جیون رام نے سابق مشرقی پاکستان کی فتح کا حوالہ بھی دیا۔ جس نے لوگوں کو جنتا پارٹی سے اور زیادہ بدظن کر دیا۔ معلوم نہیں کہ انہوں نے کیوں نہ سوچا کہ وہ کشمیر میں بول رہے ہیں نہ کہ دہلی یا کلکتہ میں' اور جلسے میں سامعین مقرر کے اشارے اور کنائے تک نوٹ کر لیتے ہیں۔ شاید مسٹر جگ جیون رام کو یہ خبر نہ تھی کہ تقسیم پاکستان اور سقوط ڈھاکہ کے واقعات سے کشمیریوں کے دل خون تھے وہ اس روز روئے تھے۔ بلکہ بہت سے لوگوں نے گھروں میں کھانا پینا بھی چھوڑ دیا تھا۔

جنتا کے مرکزی سرخیلوں کی کشمیر میں سرگرمیوں کو دیکھ کر کشمیریوں نے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ اکیلے شیخ محمد عبداللہ کشمیریت اور اسلامیت کے پاسبان ہیں۔ اسی لئے جنتا قیادت ان کے پیچھے لگی ہوئی ہے۔ سیدھے سادے کشمیری عوام نے یہ بھی سوچا کہ شاید شیخ محمد عبداللہ کے ذہن میں کشمیر کی آزادی کا کوئی منصوبہ ہو گا۔ کشمیر میں جنتا لیڈر شپ اور اس کے پیچھے پیچھے چلنے والے عوام بھی کچھ عجیب قسم کی خوش فہمیوں اور خود فریبیوں کا شکار تھے۔ وہ ہوائی قلعے خود بھی بنا رہے تھے۔ اور دہلی سے آئے ہوئے اپنے مہمانوں کو بھی ہوائی قلعے بنانے پر مجبور کر کے غلط راہ پر ڈال رہے تھے۔ وزیراعظم ہند مرارجی ڈیسائی کشمیر کے دیہات کا الیکشن دورہ کر کے واپس سرینگر لوٹے۔ یہاں ۲۶ جون کو عوامی مجلس عمل کے سربراہ میر واعظ مولوی محمد فاروق نے وزیراعظم کو اپنے گھر مدعو کیا۔ میر واعظ محمد فاروق کے عقیدت مندوں نے وزیراعظم کا پرجوش خیر مقدم کیا۔ اور عورتوں نے روائتی کشمیری میں ونہ ون (گانا) گایا۔ وہ گیت یہ تھا۔

سبز دستارس نبیٔ چھوی راضی
پاکستانک غازی آد!

ترجمہ۔ سبز دستار یعنی پگڑی رسول اللہ (صلعم) کو پسند ہے۔۔۔ دیکھو پاکستان کا غازی آگیا۔

یہ لوگ سبز ہلالی پرچم تھام کر وزیراعظم کا عجیب و غریب استقبال کر رہے تھے۔ میر واعظ منزل کی دعوت کا حال دیکھ کر لوگ خاص کر دیہات کے عوام مولوی محمد فاروق سے اور زیادہ بے زار ہو گئے اور عبداللہ لہر اور بھی تند و تیز ہو گئی۔ آخر

جنتاپارٹی کے کشمیری لیڈروں کو اپنا مستقبل تاریک دکھائی دینے لگا۔ چنانچہ انہوں نے وزیراعظم سے درخواست کی کہ کشمیر میں پولنگ کو چند روز کے لئے موخرکیاجائے۔ لیکن وزیراعظم ہندنے اس قسم کی درخواست کرنے والوں کو یہ کہہ کر مایوس کر دیا کہ میں ہندوستان کی جمہوریت کو یوں داغدار نہیں کرنا چاہتا۔ اگر شیخ عبداللہ جیت جاتے ہیں تو کیا ہو گا۔ مجھے دکھ ضرور ہو گا لیکن میں ان کی کامیابی کو روک نہیں سکتا۔ انہوں نے مزید کہاکہ جو لوگ کشمیرمیں انتخابات کا التواء چاہتے ہیں' وہ جاکر کسی دوسرے آدمی کو دلی میں میری جگہ بٹھائیں' پھرجو کچھ چاہیں کرلیں

دو زبردست ریلیاں

۲۷جون کو نیشنل کانفرنس کی یوتھ ونگ یوتھ فیڈریشن نے سرینگر میں ایک بھیانک مظاہرہ کیا۔ جس میں ایک نوجوان کو میرواعظ مولوی محمد فاروق کے بھیس میں دکھایا گیا اور اس کے ہاتھ میں تسبیح رکھی گئی تھی۔ یہ نوجوان ایک گھوڑے پر سوار جلوس کے آگے آگے جا رہا تھا اور اس کے پیچھے ایک شخص اس کی مار پیٹ کرنے پر مقرر تھا۔ اور ۲۸ جون کو یوتھ فیڈریشن کے بے شمار کارکن گرفتار کرلئے گئے۔ ۳۰ جون کو مولوی محمد فاروق کی قیادت میں سرینگر میں جنتاپارٹی کے حامیوں کی زبردست جوابی ریلے ہوئی۔ جس میں مظاہرین نے شیخ محمد عبداللہ کی بیماری پر فقرے کسے اور تضحیک آمیز ڈرامے اور سوانگ پیش کئے۔ آخر میں شام کو پولو گراؤنڈ میں مولانا فاروق اور مولانا مسعودی نے ایک عظیم جلسے سے خطاب کیا' اور ایڈمنسٹریشن کے کردار کو جانبدار قراردیا۔

شہرمیں تصادم

جولائی کی پہلی تاریخ کو شہر کے اندرونی علاقوں میں' شیخ محمد عبداللہ اور مولوی محمد فاروق کے حامیوں میں زبردست تصادم ہوا۔ دکانیں بند ہو گئیں اور جامع مسجد مارکیٹ اور زینہ کدل میں متصادم گروپوں کو ہٹانے کے لئے پولیس نے اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ اسی دن سری نگر میں نیشنل کانفرنس کی طرف سے ایک اور زور دار مظاہرہ ہوا۔ جس میں کشمیر ہماری ماں ہے' اور شیخ صاحب ہمارے قائد ہیں۔" کے نعرے دیئے گئے۔ اور گول باغ میں ایک بہت بڑے جلسہ عام میں شیخ

عبداللہ کے بستر علالت سے ان کا ایک صدا بند پیغام سنایا گیا۔ جس نے سامعین پر بے خودی اور بے نیازی طاری کر دی۔ مریض رہنما کی دھیمی آوازپکار رہی تھی: لوگو! ۳ جولائی ۷۷ء کو ۱۳ جولائی ۳۱ء کے شہداء کو یاد رکھو' اور اس ناپاک گٹھ جوڑ اور گھناؤنی سازش کے نرغے کو توڑ دو' جو کشمیری عوام کے خلاف ہو رہا ہے "۔ اس صدا بند پیغام کے بعد نیشنل کانفرنس کی کامیابی اور زیادہ یقینی ہو گئی۔

کانفرنسیوں کا جشن فتح

۳ جولائی ایت وار کو وادی اور لداخ میں ۴۲ سیٹوں کے لئے پولنگ ہوئی۔ اور ۴ جولائی کو نیشنل کانفرنس کی زبردست کامیابی کااعلان ہو گیا۔ اس نے طرب وضرب کے مظاہرے جگہ جگہ منظم کئے ۵ جولائی کو سارے کشمیرمیں نیشنل کانفرنسیوں کی طرف سے رقص و سرود اور مسرت و انبساط کے مظاہرے شروع ہوگئے جن میں مردوں' عورتوں کی الگ الگ یا مخلوط ٹولیوں نے بھرپور حصہ لیا۔۔ سری نگر اور وادی کے دوسرے علاقوں سے بازاروں' مکانوں اور دکانوں سے جنتا کے جھنڈے غائب کر دیئے گئے۔ اور جگہ جگہ ہل والا پرچم لہرایاگیا امیراکدل میں جنتا پارٹی کے اولین حامی کے' ایم' ڈی کے دفتر پر بھی ہل والا پرچم لہرایا' اور ہیڈ کوارٹر پر این' سی نواز ڈرائیوروں کا قبضہ ہو گیا۔ ۵ جولائی کو ناقابل برداشت گرمی تھی۔ سورج اپنی پوری قوت اور حدت کے ساتھ چمک رہاتھا۔ اسی حالت میں مردوں' عورتوں' لڑکوں' لڑکیوں کے ٹڈی دل کہیں پیدل اور کہیں گاڑیوں' بسوں یا جیپ گاڑیوں کی چھتوں پر رقص میں مصروف نظر آ رہے تھے۔ ایک بے لگام سماں تھا۔ جس میں کسی کو بھی گرمی کی شدت کا احساس نہ تھا۔ مولوی محمد فاروق اور مولانا مسعودی کے پتلے بنا کر ان کو بجلی کے کھمبوں پر لٹکا کر جلایا جاتا تھا۔ ایک جلوس میں ایک نوجوان کو نقلی مولوی فاروق بنا دیا گیا تھا۔ لڑکوں اور لڑکیوں کے رقص و سرور کا مخلوط منظر اور دوسری قسم کی ناشائستہ حرکتیں حیا سوز تھیں۔ یہ طوفان کئی روز تک اسی طرح چلتا رہا۔ راتیں بھی جشن وطرب کا سماں پیش کر رہی تھیں۔ طرب و موسیقی کی محفلیں کئی کئی راتوں تک لگاتار جاری رہیں۔ رات کی سیاہی چھٹنے اور سورج کے طلوع ہونے کے بعد یہ محفلیں جلوسوں اور مظاہروں میں بدل جاتیں۔ مخالف لیڈروں کے خلاف گالم گلوچ کا شور سنائی دیتا اور انار کی کا دور دورہ نظر آتا۔ پولیس چپ چاپ تماشہ دیکھ رہی تھی جنتاپارٹی کے

حامیوں کی دکانیں اور بازار بند تھے۔ اور وہ غیر محفوظ علاقوں سے بھاگ کر محفوظ علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے تھے۔ کیونکہ نہ صرف دن کے وقت بلکہ راتوں میں بھی پتھراؤ اور لوٹ مار کی وارداتیں دہرائی جاتی تھیں۔ جنتا پارٹی کے حامیوں نے صرف بچھ گام میں مزاحمت کی ۔ جو جنتاپارٹی کے شیعہ حامیوں کا گڑھ تھا۔ یہاں پتھراؤ کے بعد سری نگر سے بسوں کا آنا جانا معطل ہو گیا تھا۔ ۷ جولائی کو پولو گراؤنڈ میں نیشنل کانفرنس کی طرف سے ایک ریاست گیر عظیم اجتماع ہوا۔ یہ دوروزہ جشن مسرت کی اختتامی تقریب تھی جس میں دو رکعت نماز شکرانہ ادا کی گئی۔ شیخ محمد عبداللہ اپنی بیماری کے بعد پہلی بار درشن عام کے لئے گول باغ آ گئے۔ اور ووٹروں کا شکریہ ادا کیا۔۸ اگست کو شیخ محمدعبداللہ کے داماد نے الیکشن کے نتائج کو پاکستان نواز عناصر کی شکست قراردیا۔

نیشنل کانفرنس کی کامیابی کے اسباب

نیشنل کانفرنس کی کامیابی کے بعض اسباب خود جنتا پارٹی کی ریاستی لیڈرشپ نے فراہم کر دیئے۔۔۔۔ کانفرنس کی انتخابی مہم پارلیمانی انتخابات کے ختم ہوتے ہی شروع ہو گئی تھی۔ اور اس کے کارکن دیہات میں جگہ جگہ گھوم کر ان پڑھ عوام سے قرآن پاک کے ذریعے حلف وفاداری لیتے رہے۔ انہوں نے ووٹروں کے قریب جا کر ان کے ساتھ پرسنل کینٹکیٹ بڑھایا' اور ان کے دلوں میں یہ بات ڈال دی کہ اسمبلی کا موجودہ الیکشن رائے شماری ہے۔اور اس کے ذریعے عوام کی آزادی اور غلامی کا آخری تصفیہ ہو جائے گا۔

شیخ محمد عبداللہ کی بیماری کے بہانے کانفرنسیوں نے عبادت گاہوں اور زیارت گاہوں کو اپنی سرگرمیوں کا محور بنالیا۔ اس بات کو خوب اچھالا گیا کہ جنتاپارٹی ایک غیر ریاستی تنظیم ہے۔ جس کی روح جن سنگھ ہے۔ اور عام کشمیری مسلمانوں میں جن سنگھ ایک قاتل اور غارت گر تنظیم کی حیثیت سے بہت ہی بدنام ہے۔

مولانامحمد فاروق اورجنتا پارٹی کے ملاپ نے مسئلہ الیکشن کو شیر بکرا سوال بنایا اور پرانی عصبیتیں اور عداوتیں عود کر آگئیں۔ جنتاپارٹی کے ریاستی یونٹ میں اوپر سے لے کرنیچے تک رسہ کشی زوروں پر تھی۔ جب کہ نیشنل کانفرنس شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں متحد اور منظم تھی۔ نیشنل کانفرنس نے اپنے امیدوار وقت پر نامزد کر

دیئے۔ لیکن جنتاپارٹی اور جماعت اسلامی اپنے امیدواروں کو آخری وقت پر ہی نامزد کر سکے۔

پاکستان کے اندرونی حالات نے جماعت اسلامی کشمیر کو اور زیادہ کمزور کیا۔ اس کے خلاف پہلے ہی بداعتقاد جماعت ہونے کا پروپیگنڈاعام کیا گیا تھا۔ اور ان پڑھ عوام کے لئے یہ پروپیگنڈا کافی تھا۔ اس طرح جماعت کے امیدواروں کی ضمانتیں بھی ضبط ہو گئیں۔ نیشنل کانفرنس نے ریاست کے سارے مسلمان حصوں کو بتایا کہ کانفرنس بقول اس کے وہ واحد تنظیم ہے جو کشمیریت اوراسلامیت کو بچا سکتی ہے۔ اس طرح ووٹروں کے لئے نیشنل کانفرنس کو کامیاب بنانے کے بغیر کوئی دوسرا چارہ کار نظر نہ آیا۔

شیخ عبداللہ۔۔ الیکشن کے بعد

اب وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ ریاست کے سب سے طاقتور انسان تھے۔ اس لئے نہیں کہ انہیں دوسرے وزرائے اعلیٰ کے مقابلے میں کچھ زیادہ فیصلہ کن اختیارات حاصل تھے اور وہ ہندوستان کے خلاف کوئی آئینی لڑائی لڑنے جا رہے تھے۔ اس وجہ سے کہ دہلی سے لے کر سری نگر تک ان کو ناکام بنانے کی کوشش کرنے والے خود شکست کھا گئے تھے۔ یہ ضروری تھا کہ شیخ محمد عبداللہ بیعت کرنے والے سیدھے سادے عوام کے جذبات کی ہاں میں ہاں ملاتے اور مرکزی حکمرانوں کو بھی کچھ اشارہ دیتے۔ وزیراعلیٰ ۱۲ اگست کو پہلی بار گاندربل تشریف لے گئے۔ یہاں انہوں نے ایک عوامی جلسے میں اپنی شعلہ بیانی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا کہ اختیارات کو مرکز میں جمع کرنے کے نتائج اچھے نہیں نکلتے۔ یہ بات انتخابات میں مسز اندرا گاندھی کی شکست سے ثابت ہو گئی ہے۔ جس نے تمام اختیارات مرکز میں جمع کر لئے تھے۔ کشمیر ایک بین الاقوامی مسئلہ ہے' اور اس میں سوچنے اور سمجھنے کی ضرورت ہے۔ ہند اگر چاہتا ہے کہ ہم اس کے ساتھ رہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ ہم ڈنڈوں کے ذریعے اس کے ساتھ نہیں رہ سکتے۔

نئی کشمیر اسمبلی میں کشمیر کا سوال

اگست ۷۷ء میں نئی کشمیر اسمبلی کا اجلاس شروع ہوا۔ جس میں نیشنل کانفرنس ایک طاقت ور جماعت کی حیثیت سے موجود تھی۔ جماعت اسلامی کے تنہا ممبر اسمبلی سید علی گیلانی نے گورنر کے ایڈریس پر شکریہ کی تحریک پر بحث کے دوران ایوان کے قائد وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اور اراکین قانون سازیہ کو مسئلہ کشمیر اور ہندو پاکستان کے وعدہ حق خود ارادیت کی طرف تفصیل کے ساتھ متوجہ کیا اور آخر میں یاد دلایا کہ اب جس پارٹی کو اکثریت حاصل ہوئی ہے۔ اسے عوام نے اسی اعتماد پر ووٹ دیئے ہیں کہ وہ ۴۷ء کی پوزیشن کو بحال کر کے ہندوستان کے ساتھ رشتے کی اس بنیاد کو از سر نو زندہ کرے گی۔ جس کی بنیاد پر ان کے ساتھ ریاست کا عارضی معاہدہ ہوا تھا۔ عارضی معاہدہ رائے شماری کے وعدے کے ساتھ مشروط تھا۔ اور جب یہ پوزیشن بحال ہو جائے گی۔

تو وہ شرائط بھی پھر سے زندہ ہو جائیں گی' جو عارضی معاہدہ کے وقت بھارت کے ساتھ طے کی گئی تھیں۔ انہوں نے کہا کہ آج نگاہیں شیخ صاحب اور ان کی پارلیمانی پارٹی کی طرف لگی ہوئی ہیں۔۔۔

گیلانی صاحب کی تقریر کے دوران شیخ صاحب نے مداخلت کرتے ہوئے کہا کہ "نیشنل کانفرنس نے کبھی بھی ریاست کی خود مختاری کا نعرہ نہیں لگایا تھا' اور ۴۷ء میں ہمارا موقف یہی تھا کہ خود عوام ہی اپنے مستقبل کا فیصلہ کریں گے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان کو ہمارا موقف منظور نہ تھا' اور وہ براہ راست الحاق چاہتے تھے۔ ہمارا موقف حق خود ارادیت تھا۔ جس کا ہم کو موقعہ نہیں دیا گیا اور پاکستان نے ہم پر حملہ کیا۔ بعد میں جو حالات پیدا ہوئے ان سے سب واقف ہیں"۔

۱۳ ستمبر کو قانون ساز اسمبلی میں گورنر کے ایڈریس پر شکریہ کی تحریک پر بحث کا جواب دیتے ہوئے نائب وزیراعلیٰ مرزا محمد افضل بیگ نے کہا کہ میں نے یقیناً" اسلام آباد میں ۱۵ مئی ۷۷ء کو اپنی انتخابی مہم کے دوران کہا کہ موجودہ انتخابات اصلی رائے شماری ہیں اور وہ رائے شماری جس کا ذکر ہم لوگ پہلے کیا کرتے تھے اسی روز مر گئی' جس روز کشمیر اکارڈ ہوا۔ اور یقیناً حالیہ انتخابات ہی اصل رائے شماری تھے"۔

آزاد کشمیر پر وزیراعلیٰ کے خیالات

اب وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے آزاد کشمیر کو بھی اپنی گرفت میں لانے کی باتیں شروع کر دیں۔ اور ان دنوں نیشنل کانفرنس کے عام حلقوں میں بھی آزاد کشمیر پر چڑھائی اور اسے پاکستان کے ہاتھ سے نکالنے کی باتیں شروع ہو گئیں۔ عوام میں یہ افواہ اڑ رہی تھی کہ شیخ محمد عبداللہ کی قیادت میں آزاد کشمیر پر حملہ کرنے کا پلان بن رہا ہے۔ بہرحال کشمیر اسمبلی میں شیخ محمد عبداللہ کے بیانات سے ان شبہات کو تقویت ملنے لگی۔ وزیراعلیٰ نے ایک سوال کے جواب میں اسمبلی کو بتایا کہ جموں و کشمیر کے ایک حصے پر پاکستان کے تسلط سے جو حالات پیدا ہوئے ہیں۔ ان سے ہمیں زبردست مشکلات کا سامنا ہو رہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ یہ معاملہ ریاستی سرکار' مرکزی سرکار اور خصوصاً وزارت خارجہ سے اٹھا رہی ہے۔ اور ہم انہیں درخواست کر رہے ہیں کہ اس مسئلہ کا کوئی حل ڈھونڈھ نکالا جائے۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر پر پاکستانی حملے کے وقت ۱۹۴۹ء میں جنگ بندی کا جو فیصلہ کیا گیا تھا۔ وہ صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔ جس

وقت جنگ بندی کا اعلان کیا گیا تھا۔ ہماری فوجیں مظفر آباد اور کوٹلی تک پہنچ چکی تھیں اور اس اعلان سے وہ بھی حیران و ششدر رہ گئیں۔ انہوں نے کہا کہ اگر ۴۹ء میں جنگ بندی کا فیصلہ نہ کیا گیا ہوتا تو ہم نے ریاست کے تمام علاقوں کو پاکستان کے قبضے سے آزاد کرلیا ہوتا' اور آج ہمیں مسائل و مشکلات کا سامنا کرنا نہیں پڑتا جنگ بندی کی وجہ سے ہمیں نہ صرف اپنی پیش قدمی روکنی پڑی بلکہ اور بھی کچھ علاقوں سے دست بردار ہونا پڑا۔ ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہمیں مرکزی لیڈروں کی نیک نیتی پر کوئی شبہ ہے۔ بلکہ یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ اگر جنگ بندی کی غلطی نہ کی گئی ہوتی تو آج ہمیں مسائل کا سامنا نہ ہوتا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت تک ہمارے لئے مشکلات پیدا ہوتی رہیں گی جب تک یہ مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ اس وقت ہمارے سامنے دو راستے ہیں ایک یہ کہ پاکستان کے زیر قبضہ علاقے پر اپنا دعویٰ ترک کریں۔ اور موجودہ صورتحال کو تسلیم کرلیں۔ دوسرا یہ کہ ہم ریاست کی اسی حیثیت اور صورتحال کو بحال کرانے پر زور دیں۔ جو اگست ۱۹۴۷ء میں تھی' اور پاکستان سے مذاکرات شروع کریں۔ جو کچھ بھی کرنا ہوگا۔ مسئلہ کو ہر صورت میں طے کیا جانا چاہئے"۔

مرکز کو وزیراعلیٰ کا مراسلہ

۱۴ دسمبر کو اخباری اطلاع میں کہا گیا کہ وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے مرکزی حکومت کو ایک مراسلہ بھیج دیا ہے۔ جس میں اس بات پر زور دیا گیا کہ جموں وکشمیر کے " آزاد کشمیر" حصے کو کسی مزید تاخیر کے بغیر پاکستان کے قبضے سے آزاد کر دیا جائے۔ روزنامہ " اسٹیٹسمین" نئی دہلی نے یہ خبر دیتے ہوئے اشارہ دیا کہ اس سلسلے میں شیخ محمد عبداللہ امریکہ کی طرف سے مداخلت کے خواہش مند ہیں اور چاہتے ہیں کہ امریکہ آزاد کشمیر خالی کرانے کے لئے پاکستان پر دباؤ ڈالے۔۔ خط میں تحریر کیا گیا ہے کہ موجودہ کنٹرول لائن ایک غیر قدرتی لائن ہے۔ جس سے بہت سارے مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف سے روزنامہ "انڈین ایکسپریس" کے کلدیپ نیئر نے ۲۶ جنوری کے ایکسپریس میں مسٹر واجپائی کے دورہ اسلام آباد کے پس منظر میں مشورہ دیا کہ " پاکستان کو کشمیر کے اس علاقے کے بارے میں جو اس کے قبضے میں ہے۔ مکمل یقین دہانی کی جانی چاہئے کیونکہ آزاد کشمیر کے مستقبل کے سوال پر شیخ محمد عبداللہ کے حالیہ بیانات کی وجہ سے اسلام آباد میں شکوک پیدا ہوئے ہوں گے۔ جن میں انہوں نے

آزاد کشمیر کو ہند کا حصہ بنانے کے لئے کہا ہے۔ کلدیپ نیئر نے لکھا کہ شیخ محمد عبداللہ کو محسوس کرلینا چاہئے کہ آزاد کشمیر کو آزاد کرانے کے لئے انڈیا کو جو جنگ لڑنی ہو گی اس کے وسیع اثرات نکلیں گے۔ کیونکہ بہت ساری طاقتیں اس حصہ کو پاکستان کا حصہ تصور کرتی ہیں۔ تین سال قبل شاہ ایران نے ایک انٹرویو دیتے ہوئے مجھے کہا تھا کہ اگر ہند نے کوئی ایسا خطرہ مول لیا جس کا آئینی اور قانونی جواز ہے۔ تب بھی انڈیا بقیہ دنیا سے الگ ہو جائے گا۔ اور ایک مردہ سوال پھر سے زندہ ہو جائے گا۔ انہوں نے لکھا کہ ۱۹۴۷ء میں جنگ بندی کے سوال پر ڈیفنس منسٹری کی ایک غیر مطبوعہ کتاب " جنگ کشمیر کی کہانی۔۔۔" میں کہا گیا ہے کہ اگر ہندوستانی افواج آگے بڑھتیں تو وہ غیر ضروری آویزش اور ناچاقی میں پھنس جاتیں وہ جغرافیائی اور فوجی نکتہ نگاہ سے ایک ایسے خطہ زمین میں بند ہو جاتیں۔ جہاں کے لوگ اور جغرافیہ ان کے لئے ناساز گار تھے"۔

جب وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کو اس بات کا احساس دلایا گیا کہ آزاد کشمیر کو واپس لینے کی کوششیں مہنگی ثابت ہوں گی' اور اس کے عواقب بڑے خطرناک ہوں گے۔ اس کے علاوہ جب پاکستان کے چیف مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق چین کے دورے پر گئے اور چین اور پاکستان کے لیڈروں نے مسئلہ کشمیر پر اپنے موقف کا اعادہ کیا' تو وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے بھی تنازعہ کشمیر پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے کہا کہ کشمیر کا تذکرہ اس وقت تک ہوتا رہے گا جب تک یہ حل نہیں کیا جاتا۔ انہوں نے کہا کہ اس وقت پاکستان اپنے مسائل میں الجھا ہوا ہے اور خاموش ہے لیکن کل یہ مسئلہ ضرور اٹھ کھڑا ہو گا۔ ہند اور پاکستان کے درمیان کئی مسائل حل طلب ہیں کشمیر ان میں سے ایک ہے۔ دونوں ملکوں کو چاہئے کہ اس مسئلے کو آپسی بات چیت کے ذریعے حل کریں' اور کشمیری عوام کو کسی ایسی بات چیت میں شامل کرنا ضروری ہے کیونکہ بنیادی طور پر مسئلہ ہمارا ہی ہے"۔

چندی گڑھ میں وزیراعلیٰ نے ایک دوسرے انداز میں اخباری نمائندوں کو بتایا کہ اقوام متحدہ کی قراردادوں میں مسئلہ کشمیر زندہ ہے۔ اور عالمی ادارہ جب چاہے اس مسئلے کو اٹھا سکتا ہے۔ وزیراعلیٰ نے کہا کہ ہند کے ساتھ کشمیر کا الحاق حتمی اور اٹل ہے۔ لیکن یہ سمجھ لیا جانا چاہئے کہ کشمیر کے کسی حصے نے نہیں بلکہ پوری ریاست نے ہند کے ساتھ الحاق کیا ہے اور پاکستان آزاد کشمیر پر ناجائز قبضہ جمائے ہوئے ہے۔

پبلک سیفٹی آرڈیننس کے نفاذ کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ کشمیر ایک سرحدی ریاست ہے' جہاں کئی اہم دفاعی تنصیبات ہیں' اور ہم ان تنصیبات کو خطرے میں ڈال کر ملک کی سلامتی کے لئے خطرہ پیدا نہیں کرسکتے"۔

جموں میں ایک پریس کانفرنس میں وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ سے ان کے اس بیان پر تبصرہ کرنے کو کہا گیا کہ کشمیر کے بارے میں بین الاقوامی سطح پر وعدے کئے گئے ہیں لیکن ان وعدوں کو پورا نہیں کیا گیا تو انہوں نے کہ کہ ہند اور پاکستان نے اس مسئلہ کو آپسی بات چیت کے ذریعے حل کرلینے کا وعدہ کیا ہے۔ اور معاہدہ شملہ کے وقت دونوں ملکوں نے اس امر سے اتفاق کر لیا تھاکہ دونوں ملکوں کے درمیان تعلقات معمول پر آنے کے بعد اس مسئلے پر گفت و شنید کی جائے گی پاکستان کا خیال ہے کہ اس مسئلہ پر بات چیت کرنے کا وقت آگیا ہے لیکن ہند کو اس بات سے اتفاق نہیں اور اس کا خیال ہے کہ تعلقات معمول پر آنے کا عمل ابھی مکمل نہیں ہوا ہے۔ جب ایک اخباری نمائندے نے وزیراعلیٰ سے کہا کہ بین الاقوامی وعدوں کو کچھ لوگ رائے شماری سمجھتے ہیں تو انہوں نے جواب میں کہا کہ ایک وقت کشمیر میں رائے شماری کرانے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ لیکن بعض وجوہات کی بناء پر رائے شماری نہیں ہوئی۔ اس کے بعد ہند اور پاکستان نے اس مسئلے کو باہمی بات چیت سے حل کرنے کا وعدہ کیا اور اب اس نئے وعدے نے پرانے وعدے کی جگہ لے لی ہے"۔

۷ جولائی ۱۹۷۸ء کو وزیر اعلی شیخ محمد عبداللہ نے اپنی حکومت کا ایک سال پورا ہونے پر ایک اخباری کانفرنس بلائی جس میں انہوں نے ایک بار پھر مسئلہ کشمیر کا ذکر کیا اور اس تنازعہ کو حل کرنے کے لئے مسئلہ پر ایک بین الاقوامی معاہدہ کی ضرورت پر زور دیا۔ ایک سوال کے جواب میں وزیراعلیٰ نے کہاکہ جب تک ہند اور پاکستان کے درمیان کشمیر کا تنازعہ حل نہیں ہوتا اس وقت تک ہم اپنے آپ کو بیرونی خطرات سے محفوظ تصور نہیں کر سکتے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان برابر کشمیر پر اپنا حق جتلا رہا ہے اور ابھی کل ہی جنرل ضیاء الحق نے کراچی میں اسلامی کانفرنس کی شروعات کشمیر کے ذکر سے کیں۔ عبداللہ نے کہا کہ ہند اور پاکستان شملہ میں اور بعد میں بھی کئی بار اس مسئلہ کو باہمی گفت و شنید سے حل کرنے کے ارادوں کا اظہار کر چکے ہیں اور پاکستان برابر اس کے ایک حصے پر ناجائز تسلط برقرار رکھے ہوئے ہے۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۴۷ء میں یہاں کی جس سب سے بڑی جماعت نے ہند سے ریاست کے الحاق کی

حمایت کی تھی پچھلے سال کے انتخابات میں ہماری فتح سے واضح ہو جاتا ہے کہ ریاستی عوام اس فیصلے سے مطمئن ہیں لیکن پاکستان برابر اس مسئلے کا ذکر کر رہا ہے اس لئے ہمیں اس وقت تک خطرات سے بے فکر نہیں ہونا چاہیے جب تک کہ کشمیر پر ایک بین الاقوامی معاہدہ نہیں ہوتا۔ تنازعہ تو آپس میں بات چیت کے ذریعے حل کیا جانا چاہئے۔ اور اس پر یو۔ این۔ او کی مہر بھی لگنی چاہئے۔ آخر معاہدہ شملہ میں بھی کشمیر کا ذکر کیا گیا ہے۔ آخر میں کیا کروں۔ اگر آپ کے منسٹر شملہ میں معاہدہ کرتے ہیں' اور اس میں کشمیر کا مسئلہ کیوں آتا ہے ؟ شاہراہ قراقرم اور چین پاکستان دوستی پر ایک سوال کے جواب میں وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے اخبار نویسوں کو بتایا کہ آپ دانشمند ہیں خود سوچئے۔ ان چیزوں کو آپ نظرانداز نہ کریں۔ مجھ سے کیا پوچھتے ہو"

پنچائتی انتخابات

سال ہا سال کے انتظار اور التواء کے بعد آخر ۲۴ اکتوبر ۱۹۷۷ء کو کشمیر میں پنچائتی انتخابات کرائے گئے' اور گاؤں گاؤں میدان کار زار گرم ہوگیا۔ نیشنل کانفرنس اور اس کے مخالفوں کے درمیان اس روز گاؤں گاؤں' لاٹھیوں' کلہاڑیوں اور پتھروں کا آزادانہ استعمال ہوا جس میں بہت سارے لوگ زخمی ہو گئے' اور ایک آدمی اپنی جان سے بھی محروم ہو گیا نیشنل کانفرنس کو اسمبلی انتخابات کے بعد پہلی بار گاؤں گاؤں زبردست اور جارحانہ مخالفت کا سامنا ہوا' اور پہلی بار ووٹروں نے یہ تاثر دیا کہ اب عبداللہ لہر میں وہ پہلا سا زور وشور باقی نہیں ہے۔ اس حقیقت کے باوجود کہ پنچائتی انتخابات خفیہ بیلٹ سسٹم کی بنیاد پر نہیں بلکہ قدیم کھلے اور غیر مہذبانہ طریقے پر کئے گئے حکومت کے مخالفوں نے پولنگ بوتھوں پر کافی دباؤ ڈالنے کی کوششیں کیں۔ تاہم سرکاری ایڈمنسٹریشن اور پولنگ عملے کی دھاندلیوں کی وجہ سے بہت سارے مخالف امیدوار ہار گئے۔ ان انتخابات کے بعد دیہات میں گھریلو اور خاندانی جھگڑے شروع ہو گئے' اور حکمران پارٹیوں اور مخالف پارٹیوں کے کارکنوں نے رشتوں میں ایک دوسرے کی بہنوں پر اس ساری ہنگامہ آرائی کا نزلہ گرایا۔ رشتوں میں سیاسی رقابتیں علیحدگی اور ترک موالات تک پہنچ گئیں۔ ان انتخابات میں نیشنل کانفرنس' جماعت اسلامی' جنتا پارٹی اور کانگریس نے حصہ لیا۔ نیشنل کانفرنس کے بعض ناراض امیدواروں نے آزاد حیثیت میں طالع آزمائی کی۔

پبلک سیفٹی آرڈی ننس

کشمیری عوام کے بنیادی جمہوری حقوق اور شہری آزادیوں کو پامال کرنے کے لئے شیخ محمد عبداللہ کے زمانے میں جو پہلا فرمان جاری ہوگیا' وہ پبلک سیفٹی آرڈننس تھا۔ اس فرمان کی رو سے حکومت جموں وکشمیر نے ریاست کی سلامتی اور امن عامہ قائم کرنے کے بہانے اخبارات اور دیگر مطبوعات پر پابندیاں عائد کرنے اور لوگوں کو نظر بند کرنے کے لئے وسیع اختیارات سنبھال لئے۔ اسے گورنر ایل کے جھا نے ریاستی آئین کی دفعہ ۹۱ کے تحت جاری کر دیا۔ یہ فرمان ۲۹ اکتوبر کے غیر معمولی گزٹ میں شائع ہوا تھا اور نافذ العمل ہو گیا۔ گزٹ نوٹیفیکیشن میں اس کا نام جموں و کشمیر پبلک سیفٹی آرڈننس ۱۹۷۷ء رکھا گیا ہے۔اس فرمان کے ذریعے حکومت کو یہ اختیار حاصل ہو گیا کہ وہ کسی بھی شخص کو اس کی نظر بندی کے وجوہات بتائے بغیر نظر بند کر سکتی ہے بشرطیکہ ان امور کا افشا کرنا مفاد عامہ میں خیال نہیں کیا گیا ہو نظر بند کو اس کا کیس کسی مشاورتی بورڈ کے سامنے رکھے بغیر دو سال تک نظر بند رکھا جائے گا۔ پہلے نظر بندی حکم کی میعاد گذر جانے یا منسوخ کئے جانے کے بعد دوسرے نظر بندی حکم کے اجراء پر کوئی روک نہیں ہے۔ یہ فرمان ریاست کے اندر شائع ہونے والے اخبارات کو بند کر سکتا ہے۔ اور بیرون ریاست سے آنے والے اخبارات کا داخلہ روک سکتا ہے۔ اگر سرکار یہ محسوس کرے کہ ان اخبارات میں شائع شدہ مواد ریاست کی سلامتی اور امن عامہ کے لئے ضرر رساں ہے۔ یہ فرمان ریاست کے ممنوعہ علاقوں میں کسی شخص کے بلا پرمٹ داخلے یا ممنوعہ علاقے کے ارد گرد گھومنے کو بھی خلاف قانون قرار دیتا ہے۔ کوئی بھی پولیس افسر یا سرکار کی طرف سے کوئی بااختیار شخص' کسی بھی آدمی کو ایسے ممنوعہ علاقے میں داخل ہونے' وہاں موجود ہونے یا وہاں سے روانہ ہونے پر تلاشی لے سکتا ہے اس قسم کی تلاشی کے لئے کسی شخص یا موٹر گاڑی یا ہوائی جہاز کو روکا جا سکے گا۔ اس دفعہ کی خلاف ورزی کرنے والوں کو دو ماہ کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔ اس فرمان کی رو سے اگر حکومت ضروری محسوس کرے یا قرین مصلحت خیال کرے تو وہ ایک حکم کے ذریعے کسی بھی

شخص کے کسی خاص علاقے میں داخلے کو ممنوع قرار دے گی۔ خلاف ورزی کرنے والے کو تین ماہ کی قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔ اس فرمان کی رو سے حکومت ایک عام یا خاص حکم کے ذریعے کسی علاقے میں کسی فوجی نوعیت کی مشق یا نقل وحرکت کو ممنوع قرار دے سکتی ہے یا اس کو محدود کر سکتی ہے' وہ کوئی کیمپ' پریڈ یا میٹنگ منعقد کرنے یا اس میں حصہ لینے کو ممنوع کر سکتی ہے۔ یا محدود کر سکتی ہے یا اس پر شرط عائد کر سکتی ہے۔ اس دفعہ کی خلاف ورزی کرنے والے کو چھ ماہ قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔ ایک اور دفعہ کا تعلق کرفیو آرڈر کے نفاذ سے ہے' اور کرفیو آرڈر کی خلاف ورزی کرنے والے کو چھ ماہ قید تک سزا دی جا سکے گی اس آرڈی ننس کے تحت اگر کسی شخص کو ضرر رساں کارروائی کرنے کا قصور وار ٹھہرایا گیا تو اسے دو سال تک قید یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جا سکیں گی۔ قابل اعتراض خبروں کی اشاعت پر کنٹرول کرنے سے متعلق دفعہ کی رو سے اگر حکومت کی رائے میں کوئی دستاویز جو آرڈی ننس سے پہلے یا بعد میں چھاپی گئی ہو یا شائع کی گئی ہو' کوئی ضرر رساں خبر شامل رکھتی ہو' تو حکومت ریاست کی سلامتی کے مفاد اور امن عامہ کے قیام کی خاطر یہ حکم دے سکتی ہے کہ ایڈیٹر' پرنٹر' پبلشر یا وہ شخص جس کے قبضے میں ایسی دستاویز ہو اس حکم میں مقررہ اتھارٹی کو ایسے شخص کے نام اور پتہ کے بارے میں مطلع کرے جو ایسی خبر دینے سے تعلق رکھتا ہو۔ ایسی دستاویز اور اس کی نقل مقررہ اتھارٹی کے سپرد کرنے اور ایسی دستاویز اور اس کی ہر کاپی کو بہ حق سرکار ضبط کرنے کا حکم بھی دے سکتی ہے لفظ دستاویز میں گراما فون ریکارڈ' ساؤنڈ ٹریک اور دیگر کوئی چیز جس میں آواز کو بعد میں سنانے کے لئے ریکارڈ کیا گیا ہو' شامل ہے۔

نیشنل کانفرنس کی حکومت کے اس آرڈننس کے خلاف ریاست کی اپوزیشن پارٹیوں کے علاوہ غیر ریاستی مرکزی تنظیموں نے بھی سخت احتجاج کیا اور اسے ایک جابرانہ قانون اور بلا اعلان ایمرجنسی سے تعبیر کیا۔وادی کو اس نے خوف زدہ اور دہشت زدہ کردیا۔ کانفرنسیوں نے وادی کے عوام کو مطمئن کرنے کے لئے دعویٰ کیا کہ یہ فرمان جموں کے انتہاپسندوں سے نپٹنے کے لئے ہے اور جموں کے عوام سے کہا کہ یہ پاکستان سے نمٹنے کی خاطر ہے۔ آخر ۱۵ نومبر کو ریاستی حکومت نے ایک قرطاس ابیض جاری کیا۔ جس میں کہا گیا کہ جموں وکشمیر ایک سرحدی ریاست ہے۔ جس کے کئی علاقے بیرونی ملکوں کے قبضے میں ہیں۔ نتیجہ یہ ہے کہ ہمیں ریاست کی سلامتی اور

امن وقانون کے لئے ایسے مسائل کا سامنا ہے۔ جوملک کی کئی دوسری ریاستوں کو درپیش نہیں ہیں۔ ہماری سرحدوں کے علاوہ بعض بیرونی طاقتیں اور ان کی شہ پر کئی اندرونی عناصر وقتاً"فوقتاً" امن عامہ کو درہم برہم کرنے اور ریاست کی سلامتی کو خطرے میں ڈالنے کی کوششیں کرتے ہیں۔

جموں میں احتجاج

پبلک سیفٹی آرڈننس کے خلاف سب سے زیادہ موثر احتجاج جموں میں ہوا' یہاں مختلف پارٹیوں کی لوک سنگھرش سمتی قائم کی گئی۔ جس نے جموں شہر میں مظاہرے کرائے۔ ۲۷ نومبر کو سمتی نے ایک زبردست مظاہرہ کیا۔ اس روز وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اپنے وزراء کے ہمراہ الیکشن کے بعد پہلی بار جموں تشریف لائے اور ان کے بازاروں سے گذرنے کے موقع پر پروگرام بنایا گیا تھا۔ اس موقعہ پر سمتی اور کانفرنسیوں میں زبردست تصادم ہوا۔ جس میں پتھر چلے اور ایک دوسرے کے خلاف لاٹھیاں استعمال ہوئیں۔ کئی اشخاص جن میں وزیر خوراک غلام محمد شاہ بھی شامل تھے۔ زخمی ہو گئے۔ ایک اور اطلاع کے مطابق شیخ عبداللہ کی انگلی کو بھی چوٹ آئی۔ ۱۹۷۸ء میں چند ترمیموں کے بعد کشمیر اسمبلی نے اسے پاس کر دیا۔ اور اب یہ پبلک سیفٹی ایکٹ کی شکل میں ریاست پر لاگو ہے۔

ہندپاک مذاکرات

۱۹۷۸ء کے اوائل میں ہندوستان اور پاکستان کی قیادتوں نے ایک دوسرے کے قریب آکر اپنے تمام تنازعات طے کرنے کے لئے کئی اقدامات کئے۔ دوستی اور اعتماد کو بحال کرنے کے لئے ہند کے وزیر خارجہ اٹل بہاری باجپائی پاکستان تشریف لے گئے' اور انہوں نے پاکستان کے چیف مارشل ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق سے تقریباً" ساڑھے چار گھنٹے تک بات چیت کی' اس بات چیت پر مسئلہ کشمیر چھایا رہا۔ اس بات چیت پر رائے زنی کرتے ہوئے واجپائی نے کہا کہ دونون ممالک کے درمیان تعلقات معمول پر آنے کے بعد مسئلہ کشمیر پر قطعی تصفیہ ہو جائیگا۔ اسلام آباد میں ایک اخباری کانفرنس میں انہوں نے کہا کہ دونون ملکوں نے معاہدہ شملہ میں اس مسئلے کو حل کرنے کا عہد کیا ہے۔ اور جتنا حکومت معاہدہ شملہ سمیت دونوں ملکوں کے درمیان تمام دوسرے معاہدات کی پابند ہے۔ انہوں نے کہا کہ مذاکرات کے دوران پاکستان نے شملہ معاہدے کی روشنی میں مسئلہ کشمیر اٹھایا' اور ہم نے نہایت دوستانہ ماحول میں اس پر بھی بات چیت کی لیکن میرے مختصر دورے میں تیس برس سے لٹکتے ہوئے اس مسئلہ پر تصفیہ ہونے کی امید نہیں کی جا سکتی۔ مسٹرباجپائی نے کہا کہ ہندپاک تعلقات معمول پر آنے کے بعد مسئلہ کشمیر پر حتمی فیصلہ ہو جائے گا۔ لیکن اس سلسلہ میں ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔

اس کے چند روز بعد پاکستان کے چیف مارشل ایڈمنسٹریٹر جنرل محمد ضیاء الحق نے کہا کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان تعلقات معمول پر لانے کے لئے مسئلہ کشمیر کا حل کرنا ضروری ہے۔ امریکی اخبار نویسوں کے ایک گروپ کے ساتھ بات چیت کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ہند اور پاکستان کے درمیان تعلقات کو معمول پر لانے کا عمل جاری ہے ۔ لیکن اس سلسلہ میں دوسرے امور کے ساتھ ساتھ مسئلہ کشمیر کا حل کرنا بھی ضروری ہے۔ پاکستان گذشتہ تیس برس سے یہ کوشش کر رہا ہے کہ اس مسئلہ کو اقوام متحدہ کی ان قرار دادوں کے مطابق حل کیا جائے جن میں کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کو تسلیم کیا گیا ہے۔

۱۲ اپریل ۱۹۷۸ء کو دریائے چناب پر زیر تعمیر سلال پروجیکٹ پر معاہدہ ہونے کے بعد آغا شاہی وزیر خارجہ پاکستان نے نئی دہلی کی پریس کانفرنس کو بتایا کہ مجھے یقین ہے کہ دونوں ملکوں کے درمیان صرف ایک ہی تنازعہ حل ہونا باقی ہے۔ انہوں نے کہا کہ شملہ معاہدہ کے تحت ہندو پاکستان کے درمیان کشمیر کا مسئلہ جلد از جد طے ہونا چاہئے۔ کیونکہ اس کے بغیر اس علاقے میں حقیقی امن و استحکام اور تعاون کی فضا قائم نہیں ہو سکتی۔ اس مسئلہ پر اعلیٰ سطح پر بات چیت ہو گی۔ جس پر دونوں فریق متفق ہو گئے ہیں۔

امریکہ عبداللہ خفیہ مذاکرات

راک فیلر اور شیخ عبداللہ

اپریل ۱۹۷۸ء کے اواخر میں نیویارک کے گورنر مسٹر راک فیلر کشمیر تشریف لائے اور یہاں پہنچ کر انہوں نے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ سے بھی ملاقات کی۔ ملاقات کیا ہوئی' اس کے بارے میں ابھی تک کچھ نہیں بتایا گیا۔ لیکن کمیونسٹوں نے اس ملاقات کو قابل اعتراض قرار دے کر اس پر سخت واویلا کرنا شروع کیا۔ انہوں نے راک فیلر کے دورہ کشمیر اور شیخ عبداللہ کے ساتھ ان کی بات چیت کو سوویت روس کے خلاف اور کشمیر کو تقسیم کرنے کی ایک سازش قرار دیا۔ یہاں تک کہ کمیونسٹ ایم پی بھوپیش گپتا نے راجیہ سبھا میں بتایا کہ شیخ محمد عبداللہ سے اس ملاقات پر وضاحت لی جانی چاہئے گپتا نے کہا کہ امریکہ برصغیر سے روس کا اثر و رسوخ مٹانے کے لئے ہند اور پاکستان کو ایک دوسرے کے قریب لانا چاہتا ہے اور راک فیلر اور ان کی ٹیم کشمیر کے تنازعے کو حل کرنے کے لئے ہند پر دباؤ ڈال رہی ہے۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ راک فیلر کا مشن یہ ہے کہ ہند میں امریکہ کی لابی قائم کی جائے۔ جو امریکی نکتہ نظر کی تائید و حمایت کرے۔ انہوں نے مانگ کی کہ حکومت کو کشمیر کے بارے میں اپنی پالیسی کی وضاحت کرنی چاہئے۔

اس واقعہ کے چند ماہ بعد امریکہ کے سٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے ۱۹۵۰ء کے ان خفیہ مذاکرات کو ۲۸ سال بعد منظرعام پر لایا جو اس وقت کے وزیر اعظم شیخ محمد عبداللہ اور ہند میں مقیم امریکی سفیر کے درمیان خفیہ طور پر ہوئے تھے۔

۱۹۵۰ء میں وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ اور امریکی حکومت کے درمیان کچھ خفیہ مذاکرات ہوئے تھے۔ یہ راز دارانہ گفت و شنید خود آنجہانی وزیراعظم جواہر لال نہرو کے ساتھ بھی جاری تھی۔ اس بھید کا انکشاف خود امریکہ کے اسٹیٹ ڈیپارٹمنٹ نے جولائی ۱۹۷۸ء میں ۲۸ سال کے بعد کیا۔ جب کہ وہ ۱۹۵۰ء کے کاغذات کی ترتیب نو کر رہے تھے۔ ان انکشافات کی رو سے بھارت میں مقیم تب کے سفیر مسٹر لائے ہینڈرسن نے ۲۹ ستمبر ۵۰ء کی دوپہر کو امریکہ کے سیکرٹری آف اسٹیٹ کو مندرجہ ذیل برقی

معلومات ارسال کیں۔

"کشمیر میں اپنے قیام کے درمیان میں نے وزیراعظم شیخ محمد عبداللہ کی استدعا پر ان کے ساتھ دو خفیہ مذاکرے کئے۔ مذاکرات کے دوران میں انہوں نے بظاہر بے تکلفی کے ساتھ میرے ساتھ کشمیر کے مستقبل کے بارے میں اپنے کچھ مسائل اور نظریات زیر بحث لائے انہوں نے قابل غور اصرار کے ساتھ وہ سب کہانیاں مسترد کیں، کہ وہ کمیونسٹ نواز، سوویت روس نواز مغرب مخالف یا امریکہ مخالف ہیں۔ انہوں نے تسلیم کیا کہ ان کی کابینہ میں دو کمیونسٹ ہیں۔ لیکن حالیہ انتخابات میں انہیں شکست ملی، جس کی وجہ سے مجھے ان کے لئے متبادل حلقوں کا بندوبست کرنا پڑا تھا۔ فی الوقت میں ان کمیونسٹوں سے علیحدگی اختیار کرنے کی طاقت میں نہیں ہوں۔ کیونکہ وہ اس طرح نیشنل کانفرنس کے مخالف ہو جائیں گے۔ جس طرح چینی کمیونسٹ ،کو منتانگ کے مخالف بنے تھے مسئلہ کشمیر حل ہونے تک مجھے ان کے ساتھ چلنا ہوگا۔ مجھے مجبوراً" بعض بڑی جاگیرداریاں بلا معاوضہ ختم کر دینی پڑیں۔ بجائے اس کے کہ میں کمیونسٹوں کو اس کا کریڈٹ لینے کا موقعہ دیتا۔ میں کمیونزم کے خطرے سے ناواقف نہیں ہوں۔ لیکن مجھے یقین ہے کہ اس خطرے کا مقابلہ کرنے کے لئے میں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ بہترین ہے۔ ذاتی طور پر مجھے کشمیر کے اقتصادی مستقبل کے بارے میں کوئی امید نہیں ہے چاہے یہ ہند کے ساتھ رہے یا پاکستان میں شامل ہو، یا خود مختار رہے۔ جب تک نہ اس کو امریکہ کی دوستی اور اقتصادی تعاون حاصل ہو..... کشمیر کے مستقبل کا ذکر کرتے ہوئے شیخ عبداللہ نے زور دار طریقے پر تکرار کیا کہ میری رائے میں یہ یقین کرنے کے لئے وجوہات موجود ہیں کہ آزاد کشمیر کے بعض لیڈر بھی خود مختاری کے خواہاں ہیں۔ اور اس سلسلے میں اپنا تعاون نیشنل کانفرنس کے لیڈروں کو دینے پر آمادہ ہیں۔ بشرطیکہ کسی مناسب موقعے سے پتہ چلے کہ اس قسم کا تعاون خود مختاری کے حصول پر ختم ہو۔۔۔۔ کشمیری عوام یہ نہیں سمجھ سکے کہ آخر اقوام متحدہ نے کشمیر کو خود مختار رکھنے کا امکانی حل کیوں لگاتار نظرانداز کیا۔ ؟ جب کہ اس نے فلسطین کو خود مختار قرار دینے کے لئے ایک اسپیشل اسمبلی منعقد کی۔ حالانکہ فلسطین رقبے اور آبادی کے لحاظ سے کم تر اور اقتصادی اعتبار سے کشمیر کے مقابلے میں بہت پیچھے ہے۔ کشمیری عوام کی اپنی ایک زبان اور اپنا ایک کلچرل پس منظر ہے۔ کشمیر کے ہندو رواج اور روایات کے لحاظ سے بھارتی ہندوؤں سے کافی مختلف

ہیں، اور یہاں کے مسلمانوں کا انداز فکر اور پس منظر پاکستانی مسلمانوں سے مختلف ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک ہندو اقلیت کی موجودگی کے باوجود کشمیر کی آبادی ہم نسل ہے۔ جب میں نے شیخ عبداللہ سے دریافت کیا کہ کیا کشمیر ہند اور پاکستان کی دوستانہ حمایت کے بغیر ایک مضبوط خود مختار ملک بن سکتا ہے۔ تو انہوں نے نفی میں جواب دیا۔ شیخ عبداللہ کی رائے میں ایک خود مختار کشمیر صرف اسی صورت میں زندہ رہ سکتا ہے۔ جب اسے ہند اور پاکستان دونوں کی دوستی حاصل ہو، ہند اور پاکستان خود بھی آپس میں دوست بن کر رہیں اور امریکہ، اقوام متحدہ کے ذریعے یا براہ راست اپنی سرمایہ کاری یا اقتصادی امداد کے ذریعے کشمیر کو اپنے شان دار ذرائع پیداوار میں ترقی دلانے کے قابل بنائے۔ ہندوستان کے ساتھ رہ کر آنے والے زمانے میں کشمیری عوام کی خستہ حالی، خوشحالی میں بدل نہیں جائے گی۔ ہندوستان میں اتنے زیادہ علاقے فوری معاشی ترقی کے محتاج ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ کشمیر کو مقابلتاً" بہت کم توجہ مل جائے گی۔ پھر بھی ترجیحی لحاظ سے کشمیر کو ہندوستان میں رہنا چاہیے نہ کہ پاکستان کے ساتھ شامل ہونا چاہئے۔ کیونکہ فرسودہ قرآنی نکتہ نظر رکھنے والی حکومت کے تسلط میں جانا کشمیر کے لئے تباہ کن ثابت ہو گا"۔

شملہ مذاکرات اور سمجھوتہ

پاکستان کی اپوزیشن جماعتوں کا پہلے ہی یہ الزام تھا کہ ۱۹۷۲ء کے ہند پاک شملہ مذاکرات میں مسٹر بھٹو اور مسز اندرا گاندھی کے درمیان کوئی خفیہ مفاہمت ہوئی ہے۔ مسٹر بھٹو نے اپنے عہد حکومت میں اس قسم کے الزامات کو غلط بتایا تھا۔ لیکن اپریل ۱۹۷۸ء میں اس الزام میں ایک سنجیدہ عنصر داخل ہو گیا جب ہندوستان کے وزیر خارجہ اٹلی بہاری واجپائی نے سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی پر یہی الزام عاید کیا۔ کہ اس نے شملہ میں بھٹو کے ساتھ ایک خفیہ معاہدہ کیا تھا۔ واجپائی نے دعویٰ کیا کہ شملہ دستاویزات کا مکمل مطالعہ کرنے کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچ گئے ہیں۔ ہندوستان کے وزیر خارجہ کے بیان سے بھارت اور پاکستان کے سیاسی اور صحافتی حلقے چونک اٹھے اور پاکستان و ہندوستان دونوں جگہ اخبارات نے اس پر حاشیہ آرائی شروع کی۔ ہندوستان میں سابق وزیراعظم مسز اندرا گاندھی نے اس کی تردید کی۔ لیکن سرکردہ کالم نویس کلدیپ نیئر نے " انڈین ایکسپریس " مورخہ ۲۷ اپریل ۱۹۷۸ء میں "کیا ایک خفیہ پیکٹ ہوا تھا۔۔۔؟ " کے عنوان سے ایک مقالہ تحریر کیا۔ جس کا اردو ترجمہ ذیل میں دیا جا رہا ہے۔:

" یہ وقت ہی بتائے گا کہ کیا ۱۹۷۲ء کے شملہ چوٹی مذاکرات میں اندرا گاندھی اور ذوالفقار علی بھٹو کے درمیان مسئلہ کشمیر پر کوئی خفیہ معاہدہ ہوا تھا یا مفاہمت ہوئی تھی اگر انڈر سٹینڈنگ یہ تھی کہ دونوں نے یہ بات تسلیم کی تھی کہ کشمیر کی موجودہ جنگ بندی لائن ہند اور پاکستان کے درمیان تقسیم کی مستقل لائن قرار ہو تو اس سلسلے میں یہ یقین کرنے کے لئے وجوہات موجود ہیں کہ اس جیسا کچھ نہ کچھ واقعہ ہوا ہو گا"۔

" مجھے یاد ہے کہ جب میں نے شملہ کانفرنس سے چار ماہ پہلے ۲۵ مارچ ۱۹۷۲ء کو راولپنڈی میں مسٹر بھٹو سے ایک انٹرویو لیا' تو ان کا ذہن کشمیر کو سرد کرنے کی جانب کام کر رہا تھا۔ انٹرویو جو ٹیپ ریکارڈ کیا گیا تھا' میں مسٹر بھٹو نے کہا " آج میں جو بات کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ تم اپنی پوزیشن مانو اور ہم اپنی پوزیشن مانیں۔ تم اپنی یہ

پوزیشن قائم رکھو کہ کشمیر ہند کا اٹوٹ حصہ ہے ان دو پوزیشنوں کے درمیان مسئلہ کو سرد کرنے اور تناؤ کو گھٹانے کے لئے کافی جگہ موجود ہے"۔

اس کے بعد مسٹر بھٹو نے تجویز کی

" ہم جنگ بندی لائن کو امن کی لائن بنا سکتے ہیں۔ کشمیر کے لوگ دو ملکوں کے درمیان آزادی کے ساتھ گھومیں۔ ایک بات کے وقوع میں آنے کے بعد دوسری بات واقع ہو گی' کیوں میرے یا مسز گاندھی ہی کا مقدر ہو کہ ہم ہر معاملہ آج خود نپٹائیں ہمارا کام یہ ہے کہ ہم صحیح سمت حالات کو گردش پر لگائیں"۔

میں نے ان سے ایک خاص سوال پوچھا کہ کیا وہ کشمیر کی جنگ بندی لائن کو ایک مستقل بین الاقوامی سرحد تسلیم کرلیں گے۔۔؟ تو مسٹر بھٹو نے جواب دیا کہ :۔

" ہم دو ممالک کے درمیان کشمیریوں کی نقل وحرکت آسان کر لیں اور فی الوقت معاملہ یہیں پر چھوڑیں۔ ہم جلد بازی سے کام نہ لیں۔ اگر حالیہ جنگی مسائل کا حل نکالنے کے بعد' ہم نے اس معاملے پر بحث کرنا محسوس کر لیا' پھر ہم ایسا کر سکتے ہیں۔ ہم عالمی انجمنوں اور اقوام متحدہ کے ہاں نہ گھومیں "۔

میں نے مسٹر بھٹو سے پوچھا کہ کیا وہ کشمیر پر ٹریسٹی ٹائپ حل منظور کریں گے؟ " معاہدہ ٹریسی ۲۰ اکتوبر ۱۹۵۴ء کی رو سے ٹریسٹی کا آزاد حصہ موجودہ حد بندی کے تحت' معمولی تبدیلیوں کے ساتھ اٹلی اور یوگوسلاویہ میں تقسیم کر دیا گیا۔ معاہدے کی رو سے طرفین میں آزاد سفر کی سہولیات کی گارنٹی بھی دی گئی تھی۔ مسٹر بھٹو نے جواب دیا کہ۔۔

" میں جزوی طور پر ٹریسٹی پر سوچ رہا تھا"۔ انہوں نے اس سلسلے میں مزید کچھ کہنے سے گریز کیا سوائے اس بات کے کہ " میں نے آپ کو اپنے ذہن میں جھانکنے کا موقع دیا ہے' اگر میں اس کے بارے میں اور زیادہ کچھ کہوں یا اگر ہم اس میں اور زیادہ گہرا چلے گئے تو آپ ہمارے ہاں بھی ان سنگھیوں کو پائیں گے۔ جو یہ کہنا شروع کریں گے " دغا" اور اسی قسم کی دوسری باتیں مختصر الفاظ میں جو کچھ آپ کو کہہ رہا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ چیزیں اور دوسری عالمی نظیریں precedents زیر نظر رکھتے ہوئے ہم حرکت کا آغاز کر سکتے ہیں' اور مجھے یقین ہے کہ حرکت کرنے کے لئے کافی جگہ موجود ہے "۔

واپس وطن لوٹنے پر میں نے یہ باتیں مسزاندراگاندھی اور وزارت خارجہ کے پالیسی پلاننگ چیف مسٹر ڈی ' پی در سے کہیں۔ مسٹر بھٹو اور اندرا گاندھی کی چوٹی کانفرنس کے لئے دونوں ملکوں کے پاس دو مختلف ڈرافٹ تیار تھے۔ مسٹر در اور مسٹر عزیز احمد نے ان کا تبادلہ مری میں کیا۔ ہندوستان کے ڈرافٹ میں پہلا جز یہ تھا۔۔۔" پائیدار امن کے اجزاء"۔۔۔ اور پاکستان کے ڈرافٹ میں " (بنگلہ دیش" کی جنگ کے نتائج کا خاتمہ اور امن کی طرف واپسی "۔

دونوں مسودوں میں چند مشترکہ نکات کے باوجود ترجیحات مختلف تھیں۔ بھارت ایک " پائدار امن" کے حصول کے لئے مسئلہ کشمیر کو ہمیشہ کے لئے طے کرنا چاہتا تھا۔ مسٹر عزیز احمد نے اس اپروچ سے اتفاق نہیں کیا۔ لیکن مسٹر بھٹو نے اتفاق کیا' اور چوٹی کانفرنس کا بندوبست ہوگیا۔ اسلام آباد میں مسٹر در کے ساتھ مسٹر بھٹو نے ایک ملاقات کے دوران کہا کہ میں چوٹی کانفرنس میں مسئلہ کشمیر پر مسزاندرا گاندھی کے ساتھ مفصل بات چیت کرنا چاہتا ہوں۔ اس مکالے میں مسٹر بھٹو نے پنڈت نہرو کے ساتھ لندن میں نومبر ۱۹۶۱ء میں ایک ملاقات کا حوالہ دیا اور کہا پنڈت نہرو نے اس وقت مجھے کہا تھا:۔

" زلف ! میں جانتا ہوں کہ ہمیں کشمیر کا حل تلاش کر لینا چاہئے۔ لیکن ہم ایک ایسی حالت میں پھنس گئے ہیں جس سے ہم چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتے۔ جب تک نہ ہم اپنے اپنے ملکوں میں اپنے اپنے سماجی نظاموں اور صورتوں کو نقصان پہنچائیں"۔

شملہ میں مسئلہ کشمیر پر چوٹی سطح اور افسروں کی سطح پر بحث و مباحثہ ہوا۔ مذاکرات کے ریکارڈ سے پتہ چلتا ہے کہ جب مسزگاندھی کے پرسنل سیکرٹری مسٹر۔ پی این بکسر نے دھاگے کو اس جگہ پکڑا جہاں مسٹر در نے اسے چھوڑا تھا' تو اس نے مسٹر عزیز احمد سے سوال کیا کہ اگر چین اور امریکہ جیسی مختلف الخیال اقوام ایک دوسرے کے قریب آ سکتی ہیں۔ ہند اور پاکستان کے لئے ایسا کیوں ناممکن ہے ؟ مسٹر بکسر نے کہا کہ دونوں طرف کے ضروری ذرائع ترقیات کے بجائے دفاع پر صرف ہو رہے ہیں۔ انڈیا نے مسئلہ کشمیر کو زیر بحث لاتے ہوئے کہا کہ کم سے کم یہ اعلان کیا جانا چاہیے کہ جنگ بندی لائن امن کی لائن ہو گی' جیسا کہ مسٹر بھٹو نے تجویز کیا تھا لیکن مسٹر عزیز احمد نے کہا کہ پاکستانی عوام ہم پر شک کریں گے اگرچہ ہم مسئلہ کشمیر کی

تمہید ہی زیر غور لائیں۔ مسٹر بھٹو نے بھی قریب قریب اسی قسم کے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ان معاملات پر جلدی کیوں ہو ؟ میری رائے میں بعض اوقات جلد بازی سے مسائل برباد کئے جاتے ہیں۔ یہ فرض ہم پر ہی کیوں عائد ہو کہ تمام مسائل حل کئے جائیں "۔ لیکن مسٹر بھٹو نے اس سے بھی زیادہ کچھ کہا کہ " میری پیٹھ دیوار کی طرف ہے۔ میں اس سے زیادہ رعائتیں نہیں دے سکتا ہوں "۔

جب انڈیا نے ٹریسٹی ایگریمنٹ کا حوالہ دیا' تو مسٹر بھٹو نے کہا کہ اس معاہدے نے اصولی طور پر دونوں ملکوں (یوگو سلاویہ اور اٹلی) کا موقف تسلیم کر لیا تھا۔ لیکن میرا استدلال یہ ہے کہ مجھے آج اور یہاں مسئلہ کشمیر کے تصفیہ کی بات چیت پر مجبور نہ کیا جائے۔ کیونکہ میں اس وقت کوئی فارمولا اپنے عوام کو بیچ نہ سکوں گا۔

وہ ان بنیادوں پر کسی معاہدے کے خلاف نہ تھا۔ لیکن وہ پاکستان کے عوام کے مخالفانہ رد عمل سے ڈرتا تھا۔ مثلاً" انہوں نے کہا کہ شملہ معاہدہ پاکستانیوں کی نگاہ میں شک آور چیز بنے گی۔

یہ ممکن ہے کہ مسٹر بھٹو نے اس وقت مسز گاندھی کو بتایا ہو گا کہ میں کم و بیش جنگ بندی لائن سے اتفاق کرتا ہوں۔ لیکن یہ انڈر سٹینڈنگ اس وقت عوام کی نوٹس میں نہیں لائی جائے' کیونکہ اس وقت اسے رقبہ واپس مل رہا تھا۔ لیکن نوے ہزار جنگی قیدی نہیں ممکن ہے کہ آج مسٹر بھٹو یہ دعویٰ کریں کہ میں نے یہ ساری باتیں کشمیر کے بارے میں اس لئے کیں کیونکہ میں شملہ سے خالی ہاتھ پاکستان نہیں لوٹنا چاہتا تھا۔ لیکن اس کے ریمارکس اس بات کے غماز ہیں کہ بات کچھ اس سے بھی زیادہ تھی۔ جو اعلان میں نہ آ گئی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ ہندوستان ہمیشہ ہی مسئلہ کشمیر کو موجودہ جنگ بندی لائن کے ارد گرد حل کرنے کا خواہاں رہا ہے۔ ایک وقت ہند جموں کے پونچھ اور میرپور کے علاقوں کو پاکستان کے سپرد کرنے کے لئے تیار تھا تاکہ ایک مستقل حل نکالا جائے ۔ جنوری ۱۹۵۵ء میں وزیراعظم نہرو اور گورنر جنرل پاکستان مسٹر غلام محمد نے اس پر اتفاق کیا تھا۔ مئی ۱۹۶۳ء میں جب مسٹر سورن سنگھ نے مذاکرات کا دھاگہ پکڑا' تو شاستری نے کہا کہ انڈیا مسئلہ کشمیر کا دائمی حل دریافت کرنے کے لئے جنگ بندی لائن میں تبدیلیاں کرکے پاکستان کو کچھ اور علاقہ دینے کے لئے تیار ہے۔

معاہدہ شملہ کے کئی ماہ بعد ایک انٹرویو میں وزیراعظم مسزا ندرا گاندھی نے

مجھے بتایا کہ میں نہ صرف کشمیر کے دونوں طرف بلکہ ہند اور پاکستان کے دونوں طرف نرم سرحدوں کی خواہاں ہوں۔

پھر بھی کچھ لوگ کہیں گے کہ ان تمام باتوں سے کسی خفیہ پیکٹ کا اشارہ کیسے ملتا ہے۔ اگر کوئی انڈر سٹینڈنگ ہوئی ہو گی' تو اس کے معنی بھی وہی ہیں۔ مسز اندرا گاندھی نے ۳ روز قبل کو چین میں کہا اگر اس قدر خفیہ کوئی انڈر سٹینڈنگ ہوئی ہے' پھر انہیں اس کا اظہار ہرگز ہرگز نہ کرنا چاہئے" یہ جملہ بالکل ہی اہم ہے "۔۔

دسمبر ۱۹۸۱ء میں بھارتی صحافی اجیت بھٹاچاریہ نے صدر پاکستان جنرل محمد ضیاء الحق سے ایک طویل انٹرویو لیا' جو انگریزی رسالے ہفت روزہ " سنڈے" دہلی میں شائع ہوا۔ معاہدے کے بارے میں پوچھے گئے ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے صدر پاکستان نے کہا:

"۱۹۷۱ء میں ہمارے ہندوستانی دوستوں کے مطابق پاکستان کا سائز چھوٹا کر دیا گیا' لیکن میرے خیال میں پاکستان کو آدھا کر دیا گیا۔ اس کے بعد ہمارے درمیان شملہ معاہدہ ہوا جو اگرچہ سابق وزیراعظم کے دور میں وجود میں آیا۔ لیکن اسے موجودہ پاکستانی حکومت تسلیم کرتی ہے۔ یہ معاہدہ کن حالات میں طے پایا تھا ہمیں آج تک اس کا علم نہیں۔ ہمیں اس بات کا بھی علم نہیں کہ بنگلہ دیش کے وجود میں آنے کے بعد شملہ معاہدے کے دوران کیا بات چیت ہوئی "۔

اس سوال کے جواب میں کہ کیا اس کا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ صدر محمد ضیاء الحق نے کہا:۔

" کوئی باضابطہ ریکارڈ نہیں ہے۔ وزارت خارجہ کے افسران اور صحافی جو لوگ بھی وہاں موجود تھے۔ میں نے ان سب سے معلومات حاصل کی ہیں۔ ان کا کہنا بس یہ ہے کہ ہاں ہم لوگ مذاکرات کے وقت موجود تھے' اندرا گاندھی نے یہ کہا' بھٹو نے یہ کہا' نیز یہ کہ مسز گاندھی سمجھوتے کے موڈ میں نہیں تھیں اور مسٹر بھٹو ریز رو تھے' صورت حال یہاں تک پہنچی کہ لوگوں نے اپنے سامان پیک کر لئے اور واپسی کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن اچانک آخری لمحات میں کوئی غیر معمولی بات ہوئی' یہ بات کیا تھی ہمارے علم میں نہیں ہے' یہ بات یا تو مسٹر بھٹو کے علم میں تھی جو اب موجود نہیں رہے یا مسز اندرا گاندھی کے علم میں ہو گی۔ جو آپ کے یہاں موجود ہیں' لیکن بہرحال میں نے اس معاہدے کو برقرار رکھا"۔ (ترجمہ ہفتہ وار " دعوت " دہلی ۱۰۔۔۔۲۶ دسمبر ۱۹۸۱ء)

بھٹو لہر اور سانحہ کشمیر

آغاز

مارچ ۱۹۷۸ء کے دوسرے پندرہ واڑے میں ہندوستان کے زیر نگین کشمیر کے مسلمان علاقے ایک خوف ناک بھٹو نواز لہر کی گرفت میں آ گئے یہ عبداللہ نواز لہر سے کہیں زیادہ ڈراؤنی' خونخوار اور بے رحم تھی۔ جو جون' جولائی ۱۹۷۷ء کی الیکشن مہم کے دوران کشمیر کے مسلمان علاقوں میں شیخ محمد عبداللہ کے حق میں اور جنتا پارٹی کے خلاف اٹھی تھی' بھٹو نواز لہر کے دوران ہونے والے غضب ناک عوامی مظاہرے لاہور ہائی کورٹ کے فل بینچ کے اس فیصلے کا رد عمل تھے۔ جس نے نواب محمد احمد خان کے شور انگیز مقدمہ قتل میں پاکستان کے سابق وزیراعظم ذوالفقار علی بھٹو کو قتل کا مجرم قرار دے کر انہیں سولی پر چڑھانے کا حکم سنایا تھا۔ لاہور ہائی کورٹ کے چیف جسٹس مشتاق حسین اور چار دوسرے ججوں نے بہ اتفاق رائے ذوالفقار علی بھٹو اور دوسرے چار ملزموں کو پھانسی کے ذریعے واجب القتل قرار دیا تھا۔

اس فیصلے کے خلاف عوامی غیض و غضب کا اظہار کرنے کے لئے دو روز تک سری نگر میں طلبہ اور وکلاء کے جلوس نکلے اور جلسے ہوئے لیکن کشمیر کی دیہی آبادی اور بڑے بڑے قصبوں میں ۱۸ مارچ ۷۸ء سے ۲۵ مارچ ۱۹۷۸ء تک حکومت پاکستان' لاہور ہائی کورٹ کے ججوں اور پاکستان قومی اتحاد کے خلاف نفرت اور ملامت کے زور دار جھکڑ چلے۔ جنہوں نے ان پڑھ اور پڑھے لکھے لوگوں' عالموں اور جاہلوں کو یکساں طور پر اپنے ساتھ بہایا۔ آزاد کشمیر پر چڑھائی کے نعرے دے گئے اور داڑھی کی تضحیک عام ہو گئی۔ کچھ لوگوں نے ڈر سے اور بعض نے احتجاج کے طور پر داڑھیوں کو منڈوادیا اور کسی کسی نے دھمکی دی کہ اگر بھٹو صاحب کو سولی پر لٹکایا گیا' تو وہ اسلام کے دائرے سے نکل کر کسی دوسرے دائرے میں داخل ہو گا۔

چند روز بعد ریاست کے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ سرینگر تشریف لائے تو انہوں نے پاکستان کے تازہ ترین واقعات سے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ۴۷ء میں بھارت کے ساتھ ان کے الحاق کا فیصلہ آج درست ثابت ہو گیا ہے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کہا کہ " مسٹر بھٹو کے حق میں اور جنرل ضیاء الحق کے خلاف کشمیریوں کے مظاہرے تو سمجھ میں آ سکتے ہیں۔ لیکن صدر کارٹر کے پتلے جلانا اور ان کے خلاف نعرے بلند کرنا کیا معنی

رکھتا ہے ؟ یہ کمیونسٹوں کی سازش ہے " ۔ اور جب ریاست کی قانون ساز اسمبلی میں لاہور ہائی کورٹ کے فیصلے کے خلاف کانگریسیوں نے التواء کی تحریک پیش کی تو وزیراعلیٰ نے ایوان کو بتایا کہ اب آپ نے مظاہرے کرکے اپنا حق ادا کیا ہے ۔ ایک بیرونی ملک کے ناطے ہم پاکستان کے داخلی معاملات میں مداخلت نہیں کر سکتے اور بین الاقوامی قواعد اور نظائر کی رو سے ایک ملک دوسرے ملک کے اندر صرف اسی حکومت کو مان سکتا ہے۔ جس کا حالات اور عوام پر موثر کنٹرول ہو۔ پاکستان کی موجودہ حکومت کو تسلیم کرنا یا نہ کرنا خود وہاں کے عوام کا کام ہے۔ مسٹر بھٹو نے سزائے موت کے خلاف سپریم کورٹ میں اپیل دائر کر لی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسٹر بھٹو کو اپنے ملک کی عدلیہ کا احترام ہے' اور اگر سپریم کورٹ نے بھی مسٹر بھٹو کے خلاف فیصلہ دیا' تو آپ کیا کر سکتے ہیں سوائے اس بات کے کہ آپ کھڑے ہو کر مغفرت کی دعا کریں"

سپریم کورٹ کی توثیق کے خلاف مظاہرے

لاہور ہائی کورٹ میں سزائے موت کا فیصلہ سن لینے کے بعد مسٹر ذوالفقار علی بھٹو نے سپریم کورٹ سے اپیل کی کہ لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ کالعدم قرار دے کر انہیں بری کیا جائے۔ اب کشمیر کے عوام سپریم کورٹ کی کارروائیوں کی طرف متوجہ رہے' آخر کار ٦ فروری ۷۹ء کو سپریم کورٹ کے فل بینچ نے چیف جسٹس انوار الحق کی قیادت میں ۳ کے مقابلے میں ۴ ججوں کی اکثریت سے مسٹر بھٹو کی اپیل کو مسترد کرکے لاہور ہائی کورٹ کی طرف سے سنائی گئی سزا بحال رکھی اس خبر کے نشر ہوتے ہی سری نگر اور وادی کے دوسرے قصبوں میں سپریم کورٹ اور جنرل ضیاء الحق کے خلاف پھر سے احتجاجی مظاہرے شروع ہو گئے جو کئی روز تک جاری رہے۔ جناب بھٹو نے سپریم کورٹ میں نظر ثانی کی درخواست دائر کی جو سپریم کورٹ کے ساتوں ججوں نے ۲۴ مارچ کو باتفاق رائے خارج کر دی۔ اس روز بھی سری نگر میں کچھ مظاہرے ہوئے۔

پھانسی اور کشمیر

۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو پو پھٹنے سے پہلے پاکستانی وقت کے مطابق رات کے دو بجے راولپنڈی کے ڈسٹرکٹ جیل میں بھٹو صاحب کو پھانسی دی گئی اناللہ وانا الیہ راجعون

اس اعلان کے ساتھ ہی کشمیر کے ہندوستانی زیر اقتدار علاقے میں پاکستان کے خلاف غیض وغضب کی وہ آگ نقطہ عروج پر پہنچ گئی۔ جو دو سال سے مسٹر بھٹو کی گرفتاری اور عدالتی کارروائی پر کشمیریوں کے سینوں میں لاوے کی طرح پک رہی تھی' وادی کی تمام کاروباری' دفتری اور درسی و تدریسی مواصلاتی زندگی مفلوج ہو گئی' اور شہر و دیہات کے دور ودراز گوشوں سے مرد عورتیں' لڑکے لڑکیاں اور پیر و جوان گھروں کو چھوڑ کر گلیوں' کوچوں سڑکوں اور چوکوں پر تشدد سے بھرپور احتجاج' ماتم اور سینہ کوبی میں مست و مدہوش ہو گئے' یہ تاریخی اور تخریبی احتجاج کشمیر میں تین روز تک پوری شدت کے ساتھ جاری رہا۔ جس میں جگہ جگہ غائبانہ نمازیں ادا کی گئیں اور تیسرے روز نماز جمعہ پر عید گاہوں میں آخری بار غائبانہ نمازیں پڑھی گئیں پاکستان کے خلاف تین روز تک جاری رہنے والے قیامت خیز مظاہروں میں نہ صرف پاکستان اور پاکستانی فوجی اور سول رہنماؤں کے خلاف نعرے بازیاں کی گئیں۔ بکلہ بعض عناصر نے آزاد کشمیر کی واپسی کی مانگ کی اور اسلام کے خلاف بھی(خاکم بدہن) نعرے بلند کئے تین روز تک کشمیر کا یہ احتجاج صرف زبان و بیان کی لعن طعن تک محدود نہ رہنے دیا گیا۔ بلکہ اس نے تمام قسم کی اخلاقی' مذہبی اور قانونی حدود کو توڑ کر حیا سوزی اور درندگی کا ننگا ناچ کیا' اور کشمیر کی روایتی شرافت اور امن پسندی کی صفات کو آناً"فاناً" اس طرح دفن کیا کہ ساری دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ اس درندگی اور خونخواری کا نشانہ وادی بھر میں اور ضلع ڈوڈہ میں جماعت اسلامی کشمیر اور احمدیہ فرقہ بن گئے' ان کے تمام دفاتر مکتبے بک شاپ درس گاہیں اور لائبریریاں لوٹ لی گئیں' سارا لٹریچر چوکوں اور سڑکوں پر نذر آتش کیا گیا۔ قرآن پاک کے نسخے' احادیث کی کتب کے کتنے ہی ذخیرے پاؤں سے روندے گئے یا ٹٹیوں میں پھینکے گئے اور آگ میں جلائے گئے۔ اگرچہ عوام وادی کے تینوں ضلعوں میں یکساں طور پر احتجاج کرنے کے لئے گھروں سے نکل کر سڑکوں پر آئے۔ تاہم مظاہروں کا انداز تینوں اضلاع میں مختلف رہا۔ ضلع اسلام آباد کی کئی تحصیلوں میں۔۔۔۔۔ ماتمی مظاہروں کے دوران سب سے زیادہ اور ریکارڈ توڑ ڈراؤنی تخریب واقع ہو گئی' کولگام' شوپیاں' پلوامہ اور اسلام آباد میں بہت سے دیہات تین روز کی غارت گری اور آتش زنی سے مٹائے گئے' کروڑوں روپے کی مالیت کا مال و اسباب اور عورتوں کے زیورات لوٹ لئے گئے۔ سینکڑوں کنال اراضی پر پھیلے ہوئے سیبوں کے باغات جن کی آمدنی لاکھوں روپے کے قریب تھی اور ارد گرد پھیلے ہوئے

سرسبز و شاداب درخت کاٹ ڈالے گئے' اور ان باغوں کی دیواریں منہدم کی گئیں۔ اس طرح مزارعوں' باغبانوں' تاجروں اور ملازموں کی تمام بستیاں نان شبینہ کی محتاج بنائی گئیں۔ ان معتوب بستیوں کے گھریلو جانوروں کو بھی بے رحمی کے ساتھ زدوکوب کیا گیا اور خواتین اور لڑکیوں کی نامعلوم تعداد کی بے شرمی کے ساتھ عزت وعصمت لوٹنے کی کوششیں کی گئیں۔ مار دھاڑ' لوٹ کھسوٹ آتش زنی اور مکانوں اور دکانوں کے انہدام کا یہ شرمناک اور وحشیانہ عمل کم سے کم تین روز اور زیادہ سے زیادہ چار روز تک جاری رہا۔ اور جب چار روز کے بعد مواصلات کے ذرائع بحال ہو گئے' اور بیرونی دنیا ان کھنڈارت کو دیکھنے گئی تو ہر طرف کشمیر جہالت اور تخریب کے روح فرسا مناظر پیش کر رہا تھا

سری نگر میں مظاہرین نے اقوام متحدہ کے مبصرین کے ہیڈ کوارٹر کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی۔ ساتھ ہی واقع ڈائریکٹر ٹیلی ویژن اسٹیشن کی رہائش گاہ اور ایک گرجا گھر جلائے گئے۔ اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر پر جو گولیاں چلیں ان سے کئی لوگ مارے گئے۔ بٹہ مالنہ میں احمدی فرقے کی عبادت گاہ کو نذر آتش کرنے کی کوشش سرحدی حفاظتی پولیس کے دفاعی اقدامات کے بعد ناکام ہو گئی۔ بحیثیت مجموعی سری نگر میں مظاہرین کی کارروائیوں پر کنٹرول رہا۔ ضلع بارہ مولہ میں اکا دکا اسلامی کتب کے نسخے بھی جلائے گئے۔ سوپور اور کچھ دوسرے علاقوں میں جماعت اسلامی کے دفتروں کا لٹریچر اور فرنیچر سڑکوں پر پھینک کر جلایا گیا۔ سارے ضلع میں بانڈی پورہ کے علاقے میں ہی لوٹ کھسوٹ' آتش زنی اور مار دھاڑ کے سنگین واقعات پیش آئے' اور شورش پسندوں نے کئی لوگوں کے میووں کے بڑے بڑے باغات کاٹ ڈالے اور دیواریں منہدم کیں۔ اور خواتین اور لڑکیوں پر حملے کئے غارت گری کے یہ شرمناک واقعات آلوسہ' ترکہ پورہ' اونہ گام کلوسہ۔ خاص بانڈی پورہ۔ ماڈر' کونن اور نادی ہل میں کئے گئے۔

میں نے ۸ مئی ۷۹ء کو ضلع اسلام آباد کے آتش زدہ غارت شدہ بڑے بڑے دیہات کا دورہ کیا' میرے ساتھ فضل الحق قریشی' عبدالمجید پٹھان' نذیر احمد بٹ اور مولوی محمد یعقوب تھے۔ ہم نے جو دیہات دیکھے وہ خاکستر ہو گئے تھے۔ کھنڈارت میں بدل گئے تھے۔ یہ کھنڈارت زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ جب انسان عقل' حیا اور رحم کی حدود کو ایک بار پھاندتے ہیں تو درندوں کو بھی مات کرتے ہیں' اور خدا کی

زمین کو فساد سے بھر دیتے ہیں۔ ان آفت زدہ بستیوں کے لٹے پٹے بے شمار کنبے صرف مالک حقیقی سے مدد اور رحمت کے طلب گار تھے۔ سب سے زیادہ تباہی آروںی میں لائی گئی ہے۔ پانچ سو مکانات کا یہ بہت بڑا گاؤں اب خاک و خاکستر میں تحلیل ہو گیا تھا۔ لوٹ کھسوٹ اور آتش زنی سے تباہ ہونے والے تمام دیہات کی تفصیل اور رو داد غم سخت کرب انگیز ہے۔ جس کو سن کر آنکھوں سے آنسوؤں کے جام بے اختیار چھلک اٹھتے ہیں۔ ہماری ٹیم شورش پسند علاقوں سے بھی گذری۔ بلکہ ہم نے رات وچی میں گذاری جس نے اس علاقے کے آس پاس دیہات میں شورش اور تخریب کاری میں نمایاں رول ادا کیا تھا۔ اس علاقے میں سخت تناؤ محسوس ہوا۔ وچی اور اس کے قرب وجوار کے عوام میں بے چینی اور غیر یقینی صورت کی شدید کیفیت تھی۔ دن بھر معاش کی خاطر ادھر ادھر تگ و تاز کرنے کے بعد رات کا سونا ان پر حرام ہو گیا تھا۔ آس پاس کی تباہ حال بستیوں کی طرف سے اچانک حملے اور آتش زنی کے خطرے کا آسیب ان پر بری طرح سوار تھا۔ یہ لوگ شام کی سیاہی کا اشارہ پاتے گاؤں کے نوجوانوں کو سڑکوں پر رکاوٹیں کھڑا کرنے اور طلوع صبح تک پہرہ داری کرنے کے لئے کلہاڑیوں اور لاٹھیوں کے ساتھ بھیج دیتے تھے' اور کسی بھی آتش زنی کے خطرے کے خلاف احتیاطی اقدامات کرتے۔ وچی میں داخل ہونے سے پہلے ہمیں راستے میں کئی ایک مقامات پر رکاوٹوں کو ہٹانا پڑا اور بہت سے رضا کار دیہاتی پہرے داروں کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ لوگ اب ہر آنے جانے والے کو مشکوک سمجھتے تھے اور اس کی پوچھ گچھ کرتے تھے۔ پہلے ہم پر بھی شک کیا گیا۔ لیکن بعد میں انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ وہ اپنے آپ کو غیر محفوظ سمجھتے تھے۔ اور اپنے ماضی کے کئے پر شرمسار تھے۔ ہمارے ساتھ نصف شب تک انہوں نے مذاکرات جاری رکھے۔ اور انہوں نے اس بات کا اقرار کیا کہ تین روزہ فسادات میں ان سے اور ان کے ساتھیوں سے گناہ سرزد ہوئے اور اسی وجہ سے آج وہ اپنا مال و متاع غیر محفوظ سمجھ رہے ہیں۔

اسباب وعوامل

کشمیر میں تین روز کی حشر آفرین غارت گری کے مختلف اسباب و عوامل قدیم اور جدید ہیں۔ ان واقعات کی ذمہ داری کسی ایک طبقے جماعت اور مکتب فکر پر عاید نہیں ہوتی ہے۔ واضح طور پر اس میں تمام طبقوں اور جماعتوں کا رول رہا ہے۔ ہاں

البتہ کوئی گہرائی کے ساتھ ملوث ہے اور کوئی سطحی طور پر۔ اکثریت کو استعمال کیا گیا ہے اور اقلیت نے باقاعدہ طور پر اس کی شہ دی ہے۔ سیاہ اپریل میں دو نوع کے عناصر کے خلاف شورش پسندوں نے جارحیت کا ارتکاب کیا۔ ان میں سے ایک جماعت اسلامی اور اس کے متاثرین ہیں اور دوسرے احمدی فرقہ کے لوگ۔

پاکستانی عوام کی تیس برس کی مسلسل جدوجہد کے بعد یہ اتفاق تھا کہ ۱۹۷۴ء میں جب احمدیوں کو دستور پاکستان میں ایک غیر مسلم اقلیت قرار دینے کے لئے پاکستان گیر عوامی ایجی ٹیشن کا تند و تیز طوفان برپا ہوا تو جناب ذوالفقار علی بھٹو مملکت کے وزیراعظم تھے۔ اس ایجی ٹیشن نے کئی ماہ تک پاکستان کے معمولات معطل کر دیئے' اور آخر کار حکومت نے تحریک ختم نبوت مان کر قومی اسمبلی کے ذریعے احمدیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دے دیا۔ اس مقصد کے حصول کی خاطر پاکستان کے ۱۹۷۳ء کے آئین میں ایک تاریخی ترمیم کی گئی قومی اسمبلی نے ۷ ستمبر ۱۹۷۴ء کو یہ ترمیمی بل پاس کیا' اور اب یہ ترمیم ۱۹۷۳ء کے دستور کی ایک مستقل خصوصیت ہے ۱۹۷۷ء سے پہلے یا اس کے بعد ذوالفقار علی بھٹو کے خلاف ان کی پھانسی تک جتنے بھی واقعات رونما ہوئے' ان کے بارے میں کشمیری عوام کا یہی یقین رہا ہے کہ یہ سب کچھ احمدیوں کی سازشوں ہی کا نتیجہ ہے۔ حتیٰ کہ بعض لوگ جنرل ضیاء الحق کو بھی احمدی ہی قرار دیتے تھے لہٰذا کشمیر میں سیاہ اپریل کی شکل میں احمدی فرقے پر جو یورش ہوئی وہ اسی پس منظر میں سمجھ لی جانی چاہئے۔ کشمیر کی جماعت اسلامی پر قیامت ڈھانے کے مختلف اسباب کا جائزہ ذیل میں لیا جائے گا۔

قدیم تاریخی سبب

کشمیر میں ۱۹۴۷ء کے بعد جماعت اسلامی کا قیام عمل میں آگیا۔ اس وقت کشمیر کی مسلم اکثریتی ریاست میں تجدید واحیائے اسلام (RENAISANCE-- ISLAMIC) کی کوئی تحریک وجود میں نہیں آئی تھی۔ مسلمانوں کے بعض طور طریقوں پر ان کے ہم وطن ہندوؤں کے روحانی خیالات کی چھاپ نظر آتی تھی۔ اس کے علاوہ عام مسلمان قدیم طرز کی محدود سوچ رکھنے والے مولویوں کی مذہبی اور روحانی تاویلات پر ہی تکیہ کرتے تھے۔ سیاسی رہنمائی کے لئے یہ قوم نیشنل کانفرنس کی

سکولرلیڈر شپ پر اعتماد رکھتی تھی-- جو اسلام کے انقلابی اور متحرک تصورات سے ناواقف تھی۔ مسلم کانفرنس کی طرف سے کوئی چیلنج درپیش نہ تھا۔ کیونکہ وہ ۱۹۴۷ء کے فرقہ وارانہ فسادات اور حکومت ہند' شیخ محمد عبداللہ اور ڈوگرہ مہاراجہ ہری سنگھ کے درمیان الحاق کے بعد وادی کشمیر اور جموں کے میدان سیاست سے دست بردار ہو کر آزاد کشمیر اور پاکستان میں اپنی نئی حکمت عملی (strategy) پر غوروفکر کر رہی تھی۔

ادھر وادی کشمیر میں مولویوں کے اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر تھے۔ لیکن مطالعہ کے نقص اور علم کی کمی کی وجہ سے ان کے خیالات میں جمود اور افلاس تھا۔ انہیں احیائے اسلام کا کوئی شعور و احساس ہی نہ تھا۔ عوام ان کی اندھی تقلید کے مرض میں گرفتار تھے۔ جس نے ان کے اندر خودی کو مفلوج کیا تھا۔ عام مسلمانوں اور ان کے مولویوں کے درمیان جو تعلقات قائم تھے' ان کے پیچھے آج کی طرح ہی کوئی انقلابی تصور کام نہیں کر رہا تھا۔ مولویوں کی فکر اور پریشانی اصل میں اقتصادی تھی نہ کہ دینی اور روحانی۔ انہوں نے اس تعلق کو اپنے لئے حصول معاش کا بنیادی ذریعہ بنایا تھا۔ باقی تمام سوالات اس کے نیچے دب چکے تھے یا اندر گم ہو گئے تھے۔ مولویوں کی ادنیٰ اقتصادی اغراض کی چھاپ اب ان کے پیروکاروں میں بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ جو دینی اور روحانی ترقیوں کی منزلیں طے کرنے کے لئے نہیں بلکہ اپنے پرائیویٹ کاروباری اور معاشی مسائل کی آسانی کے لئے اپنے ملاؤں کی خدمت میں حاضر رہتے تھے۔ وہ روحانی اور دینی ترقیوں کی امید بھی کس سے رکھتے۔ صاحب دل حضرات اب خال ہی کہیں ڈھونڈنے کی امید تھی۔ خدا اور بندے اور بندوں کے باہمی تعلقات کے بارے میں قرآنی اور پیغمبرانہ تصور مسخ اور فراموش تھا۔ ٹھیک ٹھیک دینی و روحانی رہنمائی کے لئے جس مذہبی طبقے کی طرف لوگ دیکھتے تھے وہ خیالات و افکار کے لحاظ سے بڑا ہی مفلس تھا۔ اس لئے علم و عمل کا افلاس عوام میں بھی پھیل گیا تھا۔ بحران

بنرا جس طرح کہ ہند اور پاکستان کے اکثر علاقوں میں آج بھی یہی صورت حال ہے اس کے مقابلے میں کشمیر کی نوجوانوں میں بیداری کی لہر کافی تاباں نظر آتی ہے۔

اور افلاس کے اس عالم میں بھی کچھ اہل علم ' صاحب عمل اور صاحب دل لوگ ہوں گے۔ لیکن حالات اور ماحول نے انکی قدر و قیمت نہیں پہچانی ہو گی۔ جس کا ثبوت شیخ الہند حضرت مولانا انور شاہ صاحب لولابی ہیں۔ کشمیر کے اس جید' مشہور عالم اور دینی مفکر کی قدر کشمیری مسلمانوں نے نہیں پہچانی۔ چنانچہ انہوں نے واپس دیوبند جا کر اپنی عظیم دینی خدمات کا آغاز کیا' اور خود کشمیر ان کی کاوشوں' منصوبوں اور عملی و دینی رہنمائی سے محروم رہ گیا۔ کشمیری مسلمانوں پر جب اپنے حکمران تھے اور جب دہلی یا کابل سے حکمران آگئے یا سکھ اور ہندو ڈوگرے تھے ' دونوں حالتوں میں کشمیری چکی کے دو پاٹوں کے نیچے پستے رہے اور ایک جابرانہ اور کورپٹ نظام میں معاشی و علمی ترقی اور مذہبی آزادی کے دروازے ان کے لئے بند رکھے گئے تھے۔ جس نے مذہبی طبقوں کو بھی پریشان حال کیا تھا۔

۱۹۴۷ء کے بعد یہاں بھی مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ کی تحریک پھیلنے لگی اور ان کا پیش کردہ لٹریچر مسلمان تعلیم یافتہ نوجوانوں میں مقبول ہونے لگا۔ قدیم ڈگر کے مذہبی لوگ بے چین ہو گئے۔ کیونکہ نئی اسلامی تحریک نے ان کی بستیوں میں بھی شگاف ڈالے انسان کی یہ فطرت ہے کہ وہ سب کچھ برداشت کر بھی لے۔ لیکن اسے یہ گوارا نہیں ہوتا کہ کوئی شخص یا تنظیم اس کے گذر بسر' معاش اور آمدنی کے ذرائع کو سبوتاژ (Sabotage) کرے۔ اندیشہ صحیح تھا یا غلط' بہرحال جامدہ راہ کے مذہبی پروہتوں نے یقین کر لیا کہ نیا نعرہ اسلام اگر عوام میں مقبول ہو گیا' تو ان کی روزی اور دکان داری جاتی رہے گی' پس کشمیر میں جماعت اسلامی کے اولین مخالف مذہب داروں کے اسی طبقے سے پیدا ہو گئے دوسرے تمام مخالفین بھی وقتاً" فوقتاً" اسی طبقے کا سہارا لیتے رہے' اور اسی کو ایکسپلائٹ کرتے رہے۔ پھر جب تیس برس بعد جماعت اسلامی کی رفتار کو روکنے اور اس کی جمع کی ہوئی طاقت کو تباہ کر دینے کا موقعہ آگیا۔ تو اسی طبقے نے میدان میں اتر کر اپنا رول ادا کیا۔ چند اہل حدیث مولویوں نے بھی دو برس تک مسجدوں سے جماعت اسلامی اور پاکستان کے خلاف نفرت انگیز پروپیگنڈا مہم چلائی۔ بلکہ اس تحریک کو مرزائیت سے تشبیہ دی گئی۔ شیعوں کے چند مولویوں نے بھی نفرت و انتقام کی آگ بھڑکانے میں اپنا پارٹ ادا کیا۔

حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے اپنی ملت کی باہمی رزم آرائی کو دیکھ کر ہی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ ندیمانہ فریاد کی تھی

مسلماناں بہ خویشاں درستیزند — بہ جز نقش دوئی بر دل نہ ریزند
نہ نالم از کسے مے نالم از خویش — کہ ماشایان شان تو نہ بودیم

اور مولانا ابوالکلام آزاد علیہ الرحمہ نے ترجمان القرآن حصہ دوم میں مسلمانوں کی فرقہ بندیوں اور لڑائیوں کے نتائج کی طرف توجہ موڑتے ہوئے یاددلایا تھا۔

" پچاس برس ہوئے شام میں مسلمانوں کے ایک گروہ نے دوسرے گروہ کی بستیاں صرف اس لئے جلا دی تھیں کہ ایک گروہ کہتا تھا' حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سب سے بڑے ولی ہیں' دوسرا کہتا تھا نہیں شیخ احمد رفاعی۔ ہندوستان کا یہ حال ہے کہ آج تک میرے پاس نہایت سنجیدہ عبارت میں لکھے ہوئے استفتاء آتے رہتے ہیں۔ زید کہتا ہے بڑے پیر صاحب سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ عمرو کہتا ہے مجدد الف ثانی سے بڑھ کر کوئی نہیں۔ نماز کس کے پیچھے جائز ہے؟ ایک مرتبہ جی میں آیا لکھدوں' دونوں کے پیچھے نہیں۔

فقہ کے مسالک اربعہ جب مشخص و مدون ہو گئے اور تقلید شخصی کا التزام قائم ہو گیا تو سوال پیدا ہوا' ان چاروں اماموں میں افضل کون ہے ؟ امام ابو حنیفہؒ یا امام شافعیؒ۔۔۔۔۔؟ اب بحث شروع ہو گئی اور بحث نے جنگ و قتال کی صورت اختیار کی' چنانچہ ہلاکو خان کو اسلامی ممالک پر حملہ کی سب سے پہلی ترغیب خراسانیوں کے اسی جھگڑے سے ملی تھی۔ حنفیوں نے شافعیوں کی ضد میں آکر ہلاوا بھیجا' اور شہر کے پھاٹک کھول دیئے پھر جب تاتاریوں کی تلوار چل گئی تو اس نے نہ شافعی کو چھوڑا نہ حنفی کو۔ **فجابواخلال الله بار' وكان وعدا" معفولا"** شیعہ سنی اختلاف نے مسلمانوں کو دو مختلف امتوں میں متفرق کر دیا' لیکن اس تمام اختلاف کا ماحصل بھی کیا ہے۔ یہی کہ **فما بالا القرون الاولى** اور تیرہ سو برس گذر گئے' مگر اتنی بات کسی کے سمجھ میں نہیں آتی۔ **علمهاعندربى في كتاب لا يضل ربى ولا ينسى"**۔

کشمیر میں بھی اسی قسم کے جھگڑوں کا نہ پہلے کچھ شمار تھا اور نہ آج اور اب قومی سیاست اور سیاسی پارٹیوں پر بھی انہی روایات کی چھاپ ہے۔ حالانکہ ہمارے سیاست کار خود کو ترقی پسند' اور روشن خیال قرار دیتے ہیں۔ لیکن سیاست کار مولوی اور واعظ دونوں اپنے اپنے گروہی اور ذاتی مفادات کے لئے حدود کو توڑتے ہیں۔ اور سب بھی چاہتے ہیں۔ اپنے حواریوں کو بے لگام چھوڑتے ہیں اور خود بھی ان کے

ساتھ بے مہار ہو جاتے ہیں۔ مولوی اور واعظ دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ سیاست اور سیاسی پارٹیوں سے الگ ہیں۔ بہ ایں ہمہ وہ در پردہ بعض سیاسی پارٹیوں خاص کر حکمران پارٹیوں کا ساتھ دے کر دروغ گوئی سے کام لیتے ہیں۔ اسی طرح سیاست کار، سیکولر ازم کا ڈھول پیٹنے کے باوجود بناوٹی مذہب نمائی کرتے ہیں۔ مذہبی معاملات میں ٹانگ اڑاتے ہیں۔ مذہبی مقامات پر قابض رہتے ہیں، اور تفرقہ بازی کرکے فرقہ وارانہ فسادات کراتے ہیں۔ یہ حقیقتیں نظر میں رکھی جائیں تو آپ کو دور تک سانحہ کشمیر ۷۹ء کے اسباب و علل کا سراغ آسانی کے ساتھ مل جائے گا۔

کمیونسٹوں کا رول

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ اور ان کے ساتھی مفکروں نے فروعی سوالات اور فقہی اختلافات سے صرف نظر کرکے موجودہ دور کے ملحدانہ اور لادینی نظریات کے توڑ کی طرف بھی اپنی توجہ دی۔ ان کی نظر کیپٹل ازم، سوشلزم، کمیونزم اور سیکولرازم پر پڑی۔ چنانچہ ان کے فراہم کردہ لٹریچر نے برصغیر ہندو پاکستان میں کمیونزم کی رفتار کو کم از کم مسلمانوں میں روک لیا۔ ٹھیک یہیں کمیونزم وسوشلزم کے رہنماؤں کو پتہ چلا کہ ان کا اصلی دشمن کون ہے، کہاں بیٹھا ہے، اور کیسے حملہ آور ہوتا ہے۔ نیز اسلام کے دفاع میں اس کی حکمت عملی (Strategy) کیا ہے۔ کمیونسٹوں نے شدت کے ساتھ یہ بات بھی محسوس کرلی کہ اس زمانے میں جب مسلمانوں کی نئی نسل جامد اور راہبانہ تصورات سے تنگ آکر کمیونزم اور سوشلزم کی گود میں بہ آسانی کود سکتی تھی ایک نئی تحریک نیا اپروچ اور نئی کشش لے کر ان میں اسلام کا نیا ولولہ پھونک رہی ہے۔ اسلئے موقعہ کو غنیمت جان کر کمیونسٹوں کے سب ہی عناصر نے، جہاں جہاں موقعہ پایا۔ اس تحریک کو صفحۂ کشمیر سے مٹانے اور سیاہ اپریل پیدا کرنے میں اپنا بھرپور کردار ادا کیا۔ اپریل کے واقعات میں کچھ زیادہ مذموم اور وحشیانہ حربوں کو استعمال میں لایا گیا۔ مثلاً" قرآن پاک کی مذمت، توہین اور آتش زنی، تقاریر میں قرآنی تعلیمات کا مذاق، داڑھی جیسے اسلامی شعار کی مذمت اور منڈانا اور وسیع و عریض باغات اور درختوں کا خاتمہ، کمیونزم اور سوشلزم کا پورا فلسفہ و فکر اور ضابطہ اخلاق مطالعہ کرلینے اور بعض ممالک میں اس نظام فکر کا آغاز و ارتقاء جان لینے کے بعد آسانی کے ساتھ سمجھا جا سکتا ہے کہ یہ "کار خیر" ہماری ریاست میں کمیونسٹوں کے بغیر موجودہ حالات

میں کوئی دوسرا فسادی گروہ انجام نہیں دے گا۔ جماعت اسلامی کے ساتھ مختلف مذہبی گروپوں کو اختلافات ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی ضروری نہیں کہ ہروقت اس کے سیاسی اپروچ سے اتفاق کیا جائے۔ لیکن اس کے خلاف ایک عظیم یورش کے دوران اسلام کے اساسی عقاید اور عبادات پر ایمان رکھنے والا کوئی گناہ گار مسلمان بھی قرآن پاک یا پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توہین کے عظیم جرم کی شہ نہیں دے گا۔ اسی طرح کسی فساد کے دوران وسیع و عریض باغات کا صفایا، کشمیر کا پہلا واقعہ ہے۔ واضح طور پر اس اقدام کا مقصد یہ ہونا چاہئے کہ مخالف کو اس کی بہت بڑی نفع بخش املاک سے قطعی طور پر محروم کیا جائے۔ اور بلاشبہ یہ انتہائی سخت سزا صرف اسی گروہ کے اشارے پر دی جا سکتی ہے جس کو اپنے مخالف کی طاقت کا اندازہ ہو، اور اس سے خائف ہو، بہت سفاک ہو، اور یہ گوارا نہ کرتا ہو کہ اس کا مخالف آنے والے دور میں معاشی طور پر سنبھل کر اس پر جوابی یلغار کرے، جو لوگ مارکسزم، لینن ازم کے فلسفہ پر گہری نگاہ رکھتے ہیں۔ جو اس نظام فکر کے عروج و زوال کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں۔ یا جو اس فلسفے کے بنگالی ایڈیشن یعنی نکسلیت کو پہچاننے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ یا جنہوں نے کمیونسٹ مقبوضات میں مسلمانوں اور اسلام کا تاراج مطالعہ کیا ہو گا۔ وہ آسانی سے سمجھیں گے کہ باغات کا صفایا کن لوگوں کا اشارہ یا کارنامہ ہو سکتا ہے۔ تاہم مجھے آروئی میں بتایا گیا کہ اس ڈراؤنی توڑ پھوڑ کی کارروائی بھی ایک قدامت پسند مذہبی تنظیم اور مولویوں کی شہ پر انجام دی گئی

سیاسی سبب

جماعت اسلامی نے ابتداء سے ہی دین کے علاوہ سیاست، جمہوریت، قومیت اور اقتصادیات پر اپنے نظریات پیش کئے۔ لیکن بعض اوقات وہ بے موقع اور بلا ضرورت ایجابی طریقہ کار کو نظر انداز کرتے ہوئے کشمیر کی سب سے بااثر سیاسی شخصیت شیخ محمد عبداللہ سے بھی سخت چھیڑ چھاڑ کرنے کی عادی ہو گئی۔ اور اس نے اس زمانے میں بھی شیخ عبداللہ کو تنقید کا نشانہ بنایا، جب وہ تحریک رائے شماری کی وجہ سے مقبولیت کے نصف النہار پر کھڑے تھے۔ جماعت کے سرکردہ قائدین کی تقریروں کا مستقل عنوان شیخ محمد عبداللہ بن گئے۔ حالانکہ ایک زمانے میں خود شیخ محمد عبداللہ بھی جماعت اسلامی کے اصلاحی، علمی اور اخلاقی پروگرام کے بڑے مداح بن گئے تھے۔

لیکن جماعت نے آگے چل کر شیخ محمد عبداللہ کے بارے میں لوچ اور لچک کی پالیسی کو اختیار نہ کیا۔ اور شیخ حلقے میں اپنی لابی گنوا دی۔ وہ پہلے پنچایتی انتخابات میں اور پھر ۱۹۷۲ء میونسپلٹی اور ٹاؤن ایریا کمیٹیوں کے انتخابات میں ان کے خلاف محاذ آرا ہو گئی۔ ۱۹۷۵ء میں جب شیخ عبداللہ وزیراعلیٰ کی حیثیت سے گاندر بل کے حلقے سے اسمبلی کے امیدوار بن گئے تو جماعت نے یہاں بھی اپنے چیلنج کا مظاہرہ کیا۔ اور جب ۱۹۷۷ء میں پہلے پارلیمنٹ کے لئے اور بعد میں اسمبلی کے لئے معرکہ آرائی ہوئی تو وہ یہاں بھی نیشنل کانفرنس کے خلاف ڈٹ گئی۔ انتخابی سیاست کی اچھل کود میں اس نے اپنے لئے اور بھی کئی چھوٹے موٹے حریف پیدا کر دیئے یہاں تک کہ وہ کشمیر کے مطلع پر لوگوں کی نگاہ میں تعلیمی اور اصلاحی سے زیادہ ایک سیاسی اور الیکشنی جماعت بن گئی۔ ان واقعات نے اوپر سے لے کر نیچے تک نیشنل کانفرنس کو مکمل طور پر اینٹی جماعت بنا لیا تھا اور جب اپریل ۱۹۷۹ء میں جماعت اسلامی کشمیر پر عوامی یورش کی بجلی گری تو حکمران نیشنل کانفرنس کے اکثر وبیشتر کارکنوں اور ہمدردوں اور مداحوں نے دوسرے بہت سے لوگوں کے ساتھ فسادات میں حصہ لیا۔ یا مفسدوں کو شہ دیدی۔

یہ ضروری نہیں کہ اس ساری لوٹ کھسوٹ کے لئے وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی پیشگی اجازت لی گئی ہو یا وہ بذات خود اس سے خوش ہوئے ہوں یا انہیں اس کی شدت کا پیشگی اندازہ رہا ہو لیکن اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ شیخ محمد عبداللہ نیشنل کانفرنس کے قائد اور روح رواں ہیں۔ نیشنل کانفرنسی ان کے ساتھ اپنے تعلق کو باپ اور بیٹے کے رشتے سے بھی عظیم تر خیال کرتے ہیں۔ افسوس ہے کہ نیشنل کانفرنس کے حامیوں اور کارکنوں نے ایک حکمران تنظیم کی حیثیت سے اس غارت گری اور تخریب کاری کے دوران اپنی ذمہ داریوں کو محسوس نہیں کیا۔ اب آہستہ آہستہ اس جماعت کو پتہ چلے گا کہ اس کے چھوٹے بڑے کارکنوں نے دیہات میں بلوائیوں اور راہزنوں کے ساتھ شریک ہو کر جو کردار ادا کیا، اسکی وجہ سے ان کی حکومت کے لئے کس قسم کے سنگین مسائل پیدا ہو گئے ہیں۔ ان سب سوالات کو تسلی بخش طور پر حل کرنا اور اپنے سیاسی حریفوں کے سوالات کا جواب دے کر عوام کو مطمئن کرنا اب اس کے بس کا روگ نہیں ہے۔ نیشنل کانفرنس کے حریفوں نے بھی محسوس کر لیا کہ شیخ عبداللہ کے بعد انہیں جماعت کی منظم طاقت کا سامنا ہو گا۔ اس لئے اندرا کانگریس جیسی نیشنل کانفرنس مخالف تنظیموں نے بھی موقعہ کو غنیمت جان کر

ان بلوؤں میں حصہ لیا۔ یہی حال دوسرے اقلیتی سیاسی گروپوں کا بھی رہا۔ وہ ایک تیر سے دو شکار کرنا چاہتے تھے۔ ایک جماعت اسلامی کے اثر ورسوخ کو توڑنا دوسرا شیخ عبداللہ کی سرکار کے لئے امن اور قانون اور تباہ حال لوگوں کی بحالی کے پیچیدہ مسائل پیدا کرنا۔

پاکستانیت اور شخصیت پرستی

یہ بات بلامبالغہ کہی جا سکتی ہے کہ کشمیر کے عوام ۱۹۴۷ء سے ہی پاکستان کے ساتھ عقیدت کے جذبے سے سرشار رہے ہیں لیکن ۷۲-۱۹۷۱ء کے بعد مملکت پاکستان کی محبت، مسٹر بھٹو کی ذاتی عقیدت میں بدل گئی، جس کے اسباب واضح طور پر خود کشمیری مسلمانوں کے مزاج کے ساتھ ان کی سیاسی محرومیوں و نامرادیوں، سیاسی و تعلیمی، سماجی و اخلاقی تربیت پاکستان کے سرکاری و نیم سرکاری ذرائع ابلاغ کے انداز پروپیگنڈا اور خود سابق وزیراعظم مسٹر بھٹو کی خارجی اور خاص کر امور کشمیر سے متعلق سیاست کاری کے منفرد اسلوب میں پوشیدہ ہیں اور یہاں ان سے بحث مقصود نہیں۔ جب ایک شخصیت کی عقیدت نے مملکت کی محبت کی جگہ لی تو پھر یہ آگ سینوں میں روز بہ روز تیز تر ہوتی گئی اور کشمیری عوام نے سابق وزیراعظم اور ان کی حکومت پر پاکستانی سیاست دانوں کی کسی تنقید کو پسند نہیں کیا۔ جب پاکستان قومی اتحاد وجود میں آگیا، اور مملکت کے حکمران کی سیاست اور قیادت کو گلیوں اور کوچوں میں گرج دار چیلنج ملا، تو کشمیری عوام نے جگہ جگہ پی، این، اے کی مخالفت کی۔ پی این اے میں جماعت اسلامی کے علاوہ ملک کی سبھی سیاسی جماعتیں اور مسلمانوں کے تمام مذہبی فرقے سنی شیعہ، اہل حدیث، دیوبندی اور بریلوی شامل تھے۔ باہمی دشمنیوں کے باوجود وہ مسٹر بھٹو کے خلاف متحد تھے۔ کشمیری مسلمان بھی ان ہی مذہبی جماعتوں اور فرقوں پر مشتمل ہیں۔ کشمیری جماعت نے اس سارے مخمصے کے دوران مدبرانہ انداز اختیار نہ کیا۔ حریف مذہبی، نظریاتی اور سیاسی تنظیموں نے ماحول کو غنیمت جان کر یک زبان ہو کر اس کے خلاف اپنی پروپیگنڈہ مہم شروع کی۔ اس بحث سے قطع نظر کہ ان سب عناصر کو ذوالفقار علی بھٹو سے ہمدردی تھی کہ نہیں، لیکن انہیں کشمیر میں جماعت کے خاتمے سے ضرور دلچسپی تھی۔ مسٹر بھٹو کی معزولی، ان کی گرفتاری اور پھر ان کے

خلاف مقدمہ قتل کے آغاز سے جماعت اسلامی کشمیر کے خلاف ملامت اور نفرت اور بھی تیز ہو گئی۔ جب مسٹر بھٹو کے خلاف لاہور ہائی کورٹ کا فیصلہ نشر ہوا' تو یہ نفرت سڑکوں پر تشدد آمیز مظاہروں میں بدل گئی اور مسجدوں میں واعظوں نے نفرت کی آگ کو بھڑکانے میں کچھ زیادہ ہی پارٹ ادا کیا۔ اخبارات خاص کر نئی دہلی کے "عوام" اور "نئی دنیا" نے تجارتی اغراض کو دیکھ کر سنسنی خیز مبالغوں سے ۱۹۷۷ء سے مسلسل کشمیر میں نفرت اور انتقام کی آگ جلائی تھی کشمیر دونوں کی کامیاب منڈی بن گیا۔ اور اس منڈی پر اپنی گرفت مضبوط سے مضبوط تر کرنے کے لئے انہوں نے ہر ہفتے نئے نئے شوشے لکھے۔ یہاں تک کہ چار اپریل ۱۹۷۹ء کی وہ بدقسمت اور حسرتناک تاریخ آ گئی جب جذبات کے شعلے بھڑک اٹھے۔ ہجوم بے لگام چھوڑ دیئے گئے۔ آدمی درندے بن گئے' اور کوئی رہنما نہ رہا' سب راہزن بن گئے۔ طالع آزما نوجوان اور سیاست پیشہ عناصر مرثیہ خوانوں کے آگے آگے آگئے' اور انہوں نے مشتعل مظاہرین کو خوش کرنے کے لئے وہ سب کچھ کہا اور کیا' جس کی بنیاد پر انہیں یہ یقین تھا کہ مرحوم بھٹو کی پھانسی پر وہ کشمیر کے عوام میں اپنی شہرت و مقبولیت کا تاج محل تعمیر کر سکیں گے۔ اس طرح تمام سیاسی و مذہبی ' سرکاری و غیر سرکاری اور کمیونسٹ و سیکولر اور دوسرے طالع آزما عناصر نے مل کر غارت گری اور آتش زنی کا سب سے بڑا ڈراؤنا ننگا ناچ کیا۔

سماج دشمن عناصر کی شرکت

اس انارکی اور نراج کو دیکھ کر سماج دشمن اور جرائم پیشہ عناصر مثلاً" لٹیرے ' ڈاکو اور راہزن کہاں آرام سے بیٹھنے والے تھے' وہ بوریاں' تھیلے' کلہاڑے' ہتھوڑے اور بیلچے لے کر مرثیہ خوانوں میں شامل ہو گئے اور انہوں نے بھی لوٹ مار میں حصہ لے کر اپنے اپنے گھر بھرنے کی کوشش کی' دیہات میں لوگوں کی آپسی رقابتیں اور عداوتیں چکانے کے لئے بھی یہی' وقت موزوں خیال کیا گیا' چنانچہ ایک دوسرے کی صحیح یا غلط نشاندہی کر کے دیہاتیوں نے آپس میں ایک دوسرے سے انتقام لے ہی لیا۔

ایڈمنسٹریشن کی مجرمانہ غفلت

میری دیانتدارانہ اور یقینی رائے ہے کہ مندرجہ بالا اسباب و عوامل کی

موجودگی کے باوصف سانحہ کشمیر ۷۹ء واقع نہ ہو جاتا' اگر کشمیر کی انتظامی مشینری اپنے آئینی' قانونی اور سرکاری فرائض ادا کرتے ہوئے شورش پسندوں اور راہزنوں کی مشترکہ یلغار سے لوگوں کی جان' مال' آبرو بچانے کے موثر اقدامات کرتی۔ لیکن حسرت ہے کہ وزیراعلیٰ خود جائے واردات سے دور پنجاب کے دورے پر رہے' اور ان کی انتظامیہ نے مجرمانہ غفلت کا مظاہرہ کر کے بلوائیوں کی حوصلہ افزائی کی۔ کشمیر کی ایڈمنسٹریشن نے تین روز تک وادی کشمیر کو ایک سینما ہال اور اس ساری لوٹ کھسوٹ کو ایک سنسنی خیز جنگی فلم سمجھتے ہوئے اس کا تماشہ دیکھا۔ وہ اس کو قومی سانحہ سمجھتے تو ضرور مداخلت کر کے بلوائیوں کو سیدھے راستے پر لے آتے اور حکومت کے پاس وادی میں اتنی بھاری طاقت تھی کہ جس کے معمولی استعمال پر بے لگام شورش پسند سلیقے کا سبق حاصل کر لیتے۔ ماتم اور احتجاج ضرور ہوتا' جس کا حق عوام کو حاصل ہے۔ لیکن اس میں وقار اور اعتدال ہوتا۔ اس لئے سانحہ کشمیر کے ملزموں کی فہرست میں کشمیر ایڈمنسٹریشن کا نام سرفہرست آنا چاہیئے۔

سانحہ کشمیر کے دوران مظاہرین نے پہلی بار سرکاری املاک پر حملہ کرنے سے مکمل گریز کیا۔ اس کے برعکس چار اپریل کو مشتعل عوام نے سونہ وار سری نگر میں اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کے ہیڈ کوارٹر پر حملہ کر کے اسے نذر آتش کرنے کی کوشش کی۔ اندرا' عبداللہ معاہدہ کے بعد مرکزی حکومت نے کشمیر کی سرزمین پر اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کی بدستور موجودگی کو ناپسند کیا ہے اور ان پر اعتراض کرتے ہوئے انہیں واپس بلانے کی مانگ بھی کی ۔ برعکس اس کے تنازعہ کشمیر کو حل طلب ماننے والوں نے ہندوستان کی دلیل سے اتفاق نہیں کیا ہے۔ اس پس منظر میں معاملے پر غور کیا جائے تو ایک انسان آسانی کے ساتھ سمجھ لے گا کہ ماتم کرنے والے مظاہرین میں کتنے قسم کے عناصر شامل ہو گئے تھے۔ اور اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کے مرکز پر بلوہ کرانے کے لئے تارکن عناصر نے ہلائی ہو گی بہرحال وہ کوئی بھی ہو اسے کشمیری عوام کے حق خود ارادیت کے سوال پر ایمان نہیں ہوگا۔

پاکستان اور آزاد کشمیر کے خلاف نعرے

کشمیر کی تین روزہ غارت گری کے دوران میں مظاہرین نے پاکستان اور آزاد کشمیر کے خلاف بھی توہین آمیز نعرے بلند کئے انہوں نے پاکستان کی مملکت توڑنے'

اسے صفحہ ہستی سے مٹانے اور آزاد کشمیر پر چڑھائی کرکے اسے ہند کے تسلط میں لانے کی مضحکہ خیز اور احمقانہ شیخیاں ماریں' اس سلسلے میں یہ نکتہ نظرانداز نہیں کیا جا سکتا کہ آزاد کشمیر کو ختم کرنے کے بارے میں مسز اندرا گاندھی اور ان کی کانگریس پارٹی آف کشمیر اور نیشنل کانفرنس کے خیالات کئی بار عوام کے سامنے آئے ہیں۔ لہٰذا سیاسی مشاہدین کو یہ سمجھنے میں کوئی مشکل نہیں ہو سکتی کہ اپریل کے بلوؤں میں آزاد کشمیر اور پاکستان کے خلاف نعرے بازی میں کس قماش کے عناصر کا حصہ تھا۔ اسی طرح ہندوستان کی سراغرساں ایجنسیوں کے رول اور کردار کو بھی اس پس منظر میں نظرانداز نہیں کیا جا سکتا بلاشبہ یہ نعرے کشمیری مسلمانوں کے سواد اعظم کے نعرے نہیں تھے

بہر کیف کشمیری عوام جو برس ہا برس سے آزادی و خود اختیاری کی تلاش کر رہے ہیں۔ ۴ اپریل ۱۹۷۹ء انہوں نے آپ اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری ہے۔ جس پر اب وہ شرمسار ہیں۔

یہ صورت حال ۱۹۸۷ء تک یکسر بدل گئی۔ جب جنرل محمد ضیاء الحق بہاول پور میں ایک ہوائی حادثے کا شکار ہوئے۔ رات کو حادثے کی خبر سنتے ہی مقبوضہ کشمیر کے طول و عرض میں لوگ سڑکوں پر نکل آئے' جس نے ضیاء لہر کی صورت اختیار کی۔ اور ۳ روز تک پورے مقبوضہ علاقے میں زندگی کا سارا کاروبار مفلوج ہو گیا۔ یہاں تک کہ بادامی باغ سرینگر کے چھاؤنی علاقے کے اندرونی مارکیٹوں میں مکمل ہڑتال کی وجہ سے سکتہ طاری ہو گیا۔ مغرب کے فوراً بعد سرینگر میں بڑے پیمانے پر جنرل ضیاء الحق کے ماتم میں مظاہرے شروع ہو گئے۔ جنہوں نے بھارت اور بھارت نواز جماعتوں اور سیاست دانوں کے خلاف ہنگاموں کی شکل اختیار کی۔ ہزاروں لوگوں کے دل کے دل ڈاؤن ٹاؤن سرینگر اور گرد و نواح سے لال چوک امیراکدل کی طرف پیدل مارچ کرنے لگے۔ قریب تھا کہ شہر میں مشتعل عوام ' نیشنل کانفرنس انڈین نیشنل کانگریس اور بھارتی سرکار کے دفاتر' بلڈنگوں اور بھارت نواز جماعتوں کے سائن بورڈوں کا وہی حشر بناتے جو ۴ اپریل ۷۹ء کو احمدی فرقے اور جماعت اسلامی کے دفاتر اور املاک کا بنایا گیا تھا کہ فوج اور نیم فوجی دستوں نے غیر معمولی عجلت کے ساتھ پورے شہر کو اپنی گرفت میں لیا یوں وادی میں فوجی اور نیم فوجی دستے بچھائے گئے اور سرینگر میں فوج نے بادامی باغ سے ہی فلیگ مارچ شروع کیا۔ ضیاء لہر سے پیدا شدہ غم و غصے کو ٹھنڈا

کرنے کے لئے وزیر اعلیٰ فاروق عبداللہ بھی سرینگر آئے۔ انہوں نے کشمیری عوام سے خطاب کیا جنرل ضیاء الحق اور ان کے ساتھیوں کی الم ناک موت پر اظہار افسوس کیا اور پاکستان اور پاکستانی عوام کے ساتھ اپنی ہمدردی کا اظہار کیا اس طرح مقبوضہ کشمیر اس قسم کی انارکی اور بردباری سے بچ گیا جس نے ۴ اپریل ۱۹۷۹ء کو اسے اپنی لپیٹ میں لے کر بے بس اور بے سرو ساماں کر دیا تھا۔

اپریل ۱۹۷۹ء کی بھٹو لہر ہو یا اگست ۸۷ء کی ضیاء لہر دونوں کو اپنے صحیح تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے۔ اہل کشمیر کی سیاسی محرومیاں کیا ہیں اور مایوسیوں کے کتنے ڈراؤنے اور گھنے اور طویل بادل چھائے ہوئے ہیں جن سے ہمارے عوام کی سیاسی نفسیات پروان چڑھی ہے۔ یہ اسی بات کا نتیجہ تھا کہ کشمیری عوام نے کبھی شیخ عبداللہ کو اپنا محبوب بنایا کبھی وہ سقوط ڈھاکہ پر روئے اور چولے بجھائے ' کبھی ذوالفقار علی بھٹو پر فریفتہ ہوئے اور کبھی جنرل محمد ضیاء الحق کو اپنی آرزوؤں کا محور اور مسیحا ٹھہرایا۔ پاکستان اور پاکستانی مسلم شخصیتوں کی محبت میں کشمیری عوام کو ہمیشہ اپنی سیاسی آزادی کا معشوق چھپا ہوا دکھائی دیا۔ اور یقیناً یہ لوگ ایک ایسے عہد کا خواب دیکھتے رہے جس میں قرون اولیٰ کے مسلمانوں اور اسلامی شخصیتوں کے کردار کے جلوے نمایاں ہوں۔ لیکن افسوس کہ صدیاں بیت گئیں اور ملکہ کشمیر حبہ خاتون کی ساری جوانی زعفران زار وادی میں روتے رلاتے تمام ہوئی۔ جس طرح سلطنت مغلیہ کے تاجدار جلال الدین محمد اکبر کو اپنی دھاندی اور مکاری پر ندامت نہ ہوئی اور نہ حبہ خاتون کی صحرا نوردی ' بے بسی اور آنسوؤں پر رحم آیا' اسی طرح موجودہ بھارت کے ہندو نیتاؤں کو کشمیر میں اپنے کرتوت پر کوئی شرمندگی ہے اور نہ بچوں اور عورتوں کی آہ و فریاد کا کوئی احساس ہے۔

بات کیا ہے کہ دوسروں کے کام آنے والے اوروں کی خاطر رونے اور مرنے والے خود بے بس اور بے سرو ساماں ہو گئے! عبداللہ کو برسوں تک معبود ٹھہرا کر معبود حقیقی ہم سے خفا تو نہیں ہوئے ؟ سامری کے بچھڑے کو الہ سمجھنے والے بنی اسرائیلیوں کو تو اسرائیلی ریاست ہماری آنکھوں کے سامنے مل گئی اور اب دیکھتے دیکھتے تسلیم بھی ہو گئی ہے۔ افسوس کہ مرحوم ذوالفقار علی بھٹو اور مرحوم ضیاء الحق کی لہروں نے ابھی تک ہمارے زخموں کا مداوا نہ کیا ہم ساری عمر مظلوم اقوام کی خاطر عالم اسلام کے لئے فلسطین ' افغانستان ' ایران اور ہندوستان کے مسلمانوں کے لئے سڑکوں

پر سینہ کوبی کرتے رہے لیکن کوئی یو این او اور نہ کوئی او آئی سی ' کوئی عرب لیگ اور نہ کوئی نام (این اے ایم) ہماری مدد کو آتا یہاں تک کہ بھارت کے آدم خواروں اور عصمت کے دشمنوں نے کشمیر کے سبز قالین کو سرخ کیا اور عصمتوں کو بے دردی کے ساتھ پامال کیا۔

آج کشمیر میں کشمیر کی لہر ہے' شہیدوں کے قافلے ہیں اور بچے مہندی لگا کر اور کفن پوش ہو کر چل رہے ہیں۔ میں اپنے واردات غم چھپا نہیں سکتا ہوں۔ پاکستان میری امید بھی ہے اور غصہ بھی۔ حافظ کا یہ نکتہ بھی ڈھونڈے ۔ ۔

درد عشق ارچہ دل از خلق نہاں میدارد
حافظ ایں دیدہ گریان تو بے چیزے نسیت!

(ترجمہ) دل اگرچہ درد عشق کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے۔ حافظ تیری یہ روتی آنکھیں بے سبب نہیں ہیں۔

بہ این ہمہ وادی کشمیر اپنے بیٹوں اور بیٹیوں کو اس پر آشوب دور میں بھی یہ پیغام دیتی ہے ۔ ۔

یوسف گم گشتہ باز آید بہ کنعاں غم مخور

محمد مقبول بٹ کے حق میں مظاہرے

جون ۱۹۸۰ء میں یہ خبریں گھومنے لگیں کہ حکومت عنقریب تہاڑ جیل دہلی میں مقید جناب محمد مقبول بٹ کو سولی پر لٹکانے والی ہے۔ کیونکہ ان کی درخواست رحم بھارتی صدر نے مسترد کر دی ہے۔ ان خبروں سے کشمیر کے حریت پسند حلقوں میں خاصا اشتعال پیدا ہونے لگا۔ اور یقین کیا جانے لگا کہ ہندوستان نو آبادی حکمرانوں کی تقلید کا ثبوت اہم کر رہا ہے۔ اس موقعہ پر ہم نے محسوس کیا کہ محمد مقبول بٹ کی قیمتی ز ے سوال پر کشمیریوں کی حیثیت سے ہم پر بھی کچھ ذمہ داریاں عاید ہو رہی ہیں ' ا حکمرانوں کو یہ اجازت نہیں دی جانی چاہئے کہ وہ ایک حریت پسند کشمیری کو سولی پر چڑھائیں۔

ادھر سب ہی جانکار لوگ اس بات کے قائل تھے کہ ۱۹۶۶ء سے ۱۹۶۷ء تک سینٹرل جیل سری نگر میں ایک خصوصی بند عدالت میں مقبول صاحب کے خلاف جن حالات میں مقدمہ چلایا گیا تھا وہ موصوف اور ان کے ساتھیوں کے لئے مکمل بے یاری و مدد گاری کے حالات تھے۔ اور انہیں اپنا دفاع کرنے اور اس سارے قضیئے میں اپنی صفائی پیش کرنے کے دوران اول سے آخر تک صرف ناساز گار حالات کا سامنا تھا۔ چنانچہ اس سوال پر غور کرنے کے لئے ہماری تنظیم پیپلز لیگ ' اسلامی جمعیت طلبہ اور محاذ آزادی کے رہنماؤں کے درمیان ۷ اور ۹ جولائی کو سری نگر میں دو اجلاس ہوئے اور ایک لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے مشترکہ فورم جیسی تجویز بھی زیر بحث آئی۔ ان اجلاسوں میں اسلامی جمعیت طلبہ کے شیخ تجمل اسلام ' محاذ آزادی کے جنرل سیکرٹری بشیر احمد بٹ اور راقم بہ حیثیت چیئرمین پیپلز لیگ اور شبیر احمد شاہ جنرل سیکرٹری شامل ہوئے۔ایک مشترکہ فورم کے قیام کی تجویز تو آگے نہ بڑھ سکی ' البتہ محمد مقبول بٹ کی سزائے موت کے خلاف مہم چلانے کے لئے مشترکہ مظاہروں اور جلسوں کا پروگرام ترتیب دینے پر اتفاق رائے ہوا اس طرح ۱۳ جولائی کو اسلام آباد میں ۱۶ جولائی سوپور میں ' ۱۷ جولائی کو بارہ مولہ کے چوکوں میں ہمارے مظاہرے اور جلسے ہوئے۔ ان مظاہروں اور جلسوں میں بٹ صاحب کی رہائی ' سزائے موت کی منسوخی اور رہائی کے علاوہ حق خودارادیت اور اسلامی انقلاب کی حمایت میں نعرے بلند کئے گئے ' اور حکومت ہند کو یاد دلایا گیا کہ وہ کشمیر کے بارے میں اپنے بین الاقوامی وعدے پورے

کرے اور کشمیریوں کو خود ارادیت کے مسلمہ پیدائشی حق کے ذریعے اپنا مستقبل حتمی طور پر طے کرنے کا جائز جمہوری موقعہ دے۔

سری نگر کا المیہ

حادثہ اور لوٹ مار

۱۹۸۰ء میں جو واقعات پیش آئے ان میں سب سے بڑا لرزہ خیز اور دلوں کو دہلانے والا واقعہ ۔ نہیں! لمیہ ۲۶ اور ۲۷ جولائی کو پیش آیا۔ یہ المیہ ایک معمولی ٹریفک حادثے سے پھوٹ پڑا۔ جس میں ہندوستان کی باقاعدہ مسلح افواج نے سری نگر کے غیر مسلح اور بے قصور شہریوں پر وحشیانہ ہلہ بول کر نصف شب تک مار دھاڑ کا ننگا ناچ کیا۔ یہ ایک وحشتناک سانحہ تھا' جو زمانہ امن میں پیش آگیا۔

یہ رمضان المبارک کی ایک **سینچرو**ار تھی ' اور ہم نے تیرھواں روزہ افطار کیا تھا۔ شب کے نو بجے جب کہ عوام کی اکثریت افطار کی خاطر گھروں کے اندر تھی یا مسجدوں میں تراویح میں مصروف تھی اور لال چوک اور امیراکدل کی سڑکوں پر لوگوں کے ہجوم گھٹ چکے تھے کہ سونہ وار کے قریب ایک فوجی گاڑی نے ایک آٹو رکشہ کو اپنی زد میں لایا جس سے تین آدمی زخمی ہو گئے۔ گاڑی کے ڈرائیور نے فرار ہونے کی کوشش کی ' لیکن ایک ہجوم نے اس کو پکڑ کر سول پولیس کے حوالے کر دیا۔ جس نے ڈرائیور کو قریبی پولیس اسٹیشن کوٹھی باغ پہنچایا۔ یہ خبر بادامی باغ فوجی چھاؤنی اور ٹٹو گراؤنڈ بٹہ مالو بھی پہنچی ' جہاں فوجی ڈرائیور کی حراست کو فوجیوں نے اپنی فوجی انانیت اور احساس برتری کے لئے ایک چیلنج تصور کرلیا۔ اس کے بعد فوجی سول لباس پہن کر ڈنڈوں ' ہاکی سٹکوں ' رائفلوں وغیرہ سے لیس ہو کر چھاؤنی سے ٹرکوں میں سوار ہو کر ریگل چوک اور لال چوک کی طرف دوڑے۔

سب سے پہلے بے لگام مشتعل فوجیوں نے کوٹھی باغ پولیس تھانے پر دھاوا بول دیا۔ جہاں پولیس افسروں اور سپاہیوں کی بھرپور مرمت کرکے ' انہوں نے فوجی ڈرائیور کو چھڑالیا۔ اس بلوے میں فوجیوں نے چند ایک ڈنڈے شہر کے سپرنٹنڈنٹ پولیس مسٹر وٹالی پر بھی برسا کر ان کی ہندوستانی کھوپڑی کے اوسان خطا کر دیئے اور ان کے ہندوستانی قلب کو بھی مجروح کیا ۔ پولیس کی خوف زدگی کا یہ عالم تھا کہ وہ کسی مدافعت کے بغیر ہی یہ فوجی زدوکوب سہتی رہی اور ہمت کا معمولی ثبوت بھی نہ دیا۔ یہ وہی پولیس ہے جس کی گولیوں اور ڈنڈوں نے آج تک کشمیریوں کی نامعلوم تعداد کو سڑکوں پر اور پوچھ گچھ کے تعذیب خانوں میں لہولہان کر دیا ہے اور یہ وہی ایس ' پی ہیں ' جن پر انگریزی کا یہ مقولہ ٹھیک ٹھیک صادر آتا ہے :۔

"More Loyal Than The King" یعنی بادشاہ سے بھی زیادہ وفادار۔ ان کا زخمی سر تو مندمل ہو گیا' لیکن اب انہیں تازیانہ عبرت یاد نہیں ہے۔

پولیس تھانے میں پولیس والوں کی خبر لینے کے علاوہ بدمست فوجیوں کی منظم ٹولیوں نے ریگل چوک سے بٹہ مالو تک راہ گیروں کو اپنے اچانک حملوں سے دم بہ خود اور دہشت زدہ کر دیا۔ انہوں نے مار دھاڑ سے سارے علاقے میں ہر سامنے آنے والی چیز اور جان کے خلاف نراج اور درندگی کا رقص کیا۔ مثلاً" پرائیویٹ گاڑیاں' موٹر کاریں' ٹیکسیاں' سکوٹرس' رکشاز' بائیسکلز دکانات' ٹی سٹال' بس اڈے' ٹیکسی اڈے' راہگیر' پولیس اور ٹریفک سپاہی حتیٰ کہ بچے اور خواتین بھی ان کے بلوؤں سے بچ نہ سکے۔ فوجی بلوائیوں کے راستے میں ایک مرغ فروش اپنے مرغوں سمیت پھنس گیا۔ جوانوں نے اس کے مرغ چھین کر' ان بے زبان جانوروں کی گردنیں مروڑدیں۔ کے' ایم' ڈی کے قریب ایک پولٹری دکان کے مرغ' مرغیاں اور انڈے بھی اسی طرح لوٹ لئے گئے۔ دہشت گرد فوجیوں نے فائر برگیڈ کے نوجوانوں کو بھی زخمی کردیا جو دکانوں اور گاڑیوں کو نذر آتش کئے جانے کے دوران آگ بجھانے کا فریضہ انجام دے رہے تھے۔ ریاست کے نامور معالج ڈاکٹر علی محمد جان کے ایک اخباری بیان کے مطابق فوجیوں نے کے' ایم ڈی لال چوک کے قریب ایک مقام پر ان کی گاڑی پر بھی حملہ کر دیا۔ لیکن ڈاکٹر صاحب بال بال بچ گئے۔ دکانوں اور گاڑیوں کی آتش زنی کے دوران فوجی ٹولیوں نے مولانا آزاد روڈ ٹیکسی اسٹینڈ میں تقریباً" چالیس ٹیکسیوں کو تباہ و برباد کر دیا۔ جن میں بارہ ٹیکسیاں خاکستر ہو گئیں۔ ٹیکسی سٹینڈ کے آفس کا سارا سازو سامان لوٹ لیا گیا۔ اسی طرح منی بس سٹینڈ کے احاطے میں بھی بہت سی دکانوں' گاڑیوں' ٹمپوؤں' بسوں اور تھری ویلروں کو جلایا گیا' ماردھاڑ' غارت گری اور آتش زنی کا آغاز پہلے تو بادامی باغ چھاؤنی کے فوجیوں نے کیا' بعد میں ٹٹو گراؤنڈ کے فوجی بھی اس میں شامل ہو گئے۔ ہنومان مندر کے قریب ایک ٹیکسی کو جلانے کے بعد فوجیوں نے اسے دریائے جہلم میں پھینک دیا۔ عینی گواہوں کے بیان کے مطابق فوجیوں کے طریق کار سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اپنے افسروں کے احکامات کی تعمیل کر رہے ہیں کیونکہ وہ وسل کی آواز پر ہی گاڑیوں سے اترتے یا ان پر چڑھتے تھے۔ رات کے گیارہ بجے ٹرکوں میں بندوقوں سے لیس فوجی اپنی بندوقیں ہوا میں لہراتے ہوئے بڈ شاہ پل اور امیراکدل کے نئے پل سے گذرے۔ بتایا جاتا ہے کہ ٹٹو گراؤنڈ سے شکتی مان ٹرکوں کا جو قافلہ آیا اس کی قیادت ملٹری پولیس کا ایک ون ٹن جھونگا کر رہا تھا۔

رات کے ساڑھے گیارہ بجے جہانگیر ہوٹل کے پاس اندھادھند فائرنگ کی گئی ' لال چوک میں گنڈا سنگھ بلڈنگ کے قریب چند پرائیویٹ کاروں اور آٹو رکشاؤں کو بھی نذر آتش کیا گیا' اور نیلم سینما کے نزدیک چند چھوٹے ہوٹلوں کو لوٹ لیا گیا۔

غرض یہ ایک ڈراؤنا منظر اور عظیم سانحہ تھا' جو کئی گھنٹے تک جاری رہا اور امیراکدل کے آس پاس رہنے والوں کی یہ چاندنی شب رمضان' شب محشر میں بدل گئی۔ حسرت ہے کہ وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ اس بربریت کو رکوانے اور اپنے عوام کو اس پتا کی تاریکیوں سے چھڑانے کے لئے کوئی جرات مندانہ اقدام نہ کر سکے۔ حالانکہ ان کی ذاتی رہائش گاہ متاثرہ علاقے میں ہی ہے۔ اور وہ بہ نفس نفیس وہاں موجود تھے۔

ہڑتال اور مظاہرے

اس مار دھاڑ اور سفاکی کے خلاف عوام کا ردعمل قدرتی طور پر سخت غضب ناک تھا۔ جس کے نتیجے میں ۲۷ جولائی ایت وار کو سری نگر میں ٹرانسپورٹ کا پورانظام معطل ہو گیا۔ نہ صرف سرینگر اور وادی کے دوسرے علاقوں بلکہ خود سرینگر شہر میں مختلف حصوں کے درمیان پبلک ٹرانسپورٹ کے تمام رابطے منقطع ہو گئے۔ ریڈیو کشمیر سری نگر نے رات کے المناک واقعات کی خبروں کا مکمل طور پر بلیک آؤٹ کر دیا۔ جس کی وجہ سے مفصلات دن بھر اصل صورت حال سے بے خبر رہے۔ سری نگر کے متاثرہ بالائی علاقوں میں مشتعل اور غم زدہ عوام نے فوج کی بربریت کے خلاف احتجاجی مظاہرے کئے اور زخمی لوگوں کو دیکھنے کے لئے صدر ہسپتال کی طرف ان کا تانتا بندھا رہا۔ مسلح پولیس اور مظاہرین کے درمیان جگہ جگہ جھڑپیں ہوئیں۔۔ مظاہروں کو روکنے کے لئے پولیس نے لاٹھیوں' ٹیر گیس کے گولوں اور ہوائی فائرنگ سے خوب کام لیا۔ لال چوک میں وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی تقریر کے پروگرام کا ڈھنڈورا بجانے والی جیپ گاڑیوں پر شہر کے کئی مقامات پر مظاہرین نے سنگ باری کی اور لال چوک میں قائم کئے گئے۔ سٹیج پر حملہ کیا گیا۔ خود وزیراعلیٰ کی تقریر کے دوران عوام نے احتجاج کیا' اور ان سے مستعفی ہونے کا مطالبہ کیا۔ شام کے وقت مظاہرین نے بڈ شاہ چوک میں ایک جیپ گاڑی نذر آتش کی اور ایک اور جلوس نے زیرو برج کے بی' ایس' الیف بیٹ کو نذر آتش کر دیا بیٹ کے سپاہی اس سے پہلے بیٹ کو چھوڑ کر فرار

ہو چکے تھے۔

سوموار ۲۸ جولائی کو سری نگر کے علاوہ اسلام آباد' سوپور' بارہ مولا' بانڈی پورہ ' ترال' شوپیاں' پلوامہ وغیرہ میں بھی سانحہ سرینگر کے احتجاج میں تمام کاروباری ادارے اور تعلیمی ادارے بند رہے اور اسلام آباد'سوپور' بارہ مولہ اور بانڈی پورہ میں احتجاجی مظاہرے اور جلسے ہوئے' اور کئی مقامات پر مسلح پولیس اور غم زدہ مظاہرین کے درمیان جھڑپیں ہوئیں۔ اسلام آباد میں عوام نے سیاہ پرچم اور پاکستانی پرچم تھام کر ہند کے خلاف اور پاکستان کے حق میں نعرے بلند کئے۔ سری نگر میں سب سے پہلے بعض غیر مسلموں نے احتجاجاً" اپنی دکانیں بند رکھیں۔ کیونکہ انہوں نے الزام لگایا کہ ایت وار کو مظاہرین نے ان کی دکانوں کو لوٹا تھا اس ہڑتال کے خلاف مسلمانوں نے بھی اپنا کاروبار بند رکھا۔ جس کو ناکام بنانے کے لئے آئی'جی پولیس' خفیہ پولیس کے اعلیٰ و ادنیٰ لوگ کشمیر آرمڈ پولیس' بی' ایس' ایف اور ڈپٹی کمشنر آندھی کی طرح شہر بھر میں حرکت میں آ گئے اور انہوں نے جبراً" لوگوں کی دکانیں کھولنے کی ناکام کوششیں کیں۔ ڈی سی سری نگر نے اپنی وفاداری کا مزید ثبوت فراہم کرنے کے لئے تاجروں کو دھمکی دی کہ اگر وہ ہڑتال پر قائم رہے تو انہیں گولیوں سے اڑایا جائے گا۔

زینہ کدل میں عبدالرشید کابلی ایم ایل اے (صفا کدل حلقۂ انتخاب) گولی لگنے سے زخمی ہو گئے۔ موصوف مولوی فاروق کی ہدایت کے تحت مظاہرین کا جوش ٹھنڈا کرنے کے لئے سڑک پر نمودار ہو گئے تھے۔ اسی روز شام کو سری نگر میں انسپکٹر جنرل پولیس پیر غلام حسن شاہ نے ایک پریس کانفرنس میں کہا کہ سینچر کی رات اور ایت وار کی وارداتوں میں چھ افراد ہلاک ہو گئے ہیں'جن میں پانچ گولی لگنے سے ہلاک ہو گئے اور ایک کی موت اس کے سر پر لال چوک کے ٹیکسی سٹینڈ میں لاٹھیاں برسنے سے ہوئی۔انہوں نے کہا کہ سینچر کی رات کو ۱۶ شہری اور نو پولیس والے جب کہ ایت وار کو چھ شہری اور نو پولیس والے زخمی ہو گئے' اور چالیس آدمی اب تک گرفتار کئے جا چکے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مغل محلّہ چھتہ بل کے سولہ سالہ مشتاق احمد' کرن نگر کے ۲۰ سالہ آفتاب احمد گگری بل کے ۱۹ سالہ فاروق احمد ڈار' لال نگر چھانہ پورہ کے ۲۱ سالہ فیاض احمد عبداللہ گنائی مرن پلوامہ۔ محمد حنیف درویش اوڑی ہلاک ہو گئے۔ لیکن غیر سرکاری طور پر سات بلکہ اس سے بھی زیادہ افراد کے جاں بحق ہونے کی اطلاع ملی۔ اور مرنے والوں میں شبیر احمد درویش کدل کا نام بھی اخباروں میں

آگیا۔ مشتاق احمد کو راہ چلتے جہانگیر ہوٹل کے نزدیک ایک فوجی گاڑی سے گولیوں کا نشانہ بنایا گیا' اور محمد فاروق کو نمائش گاہ کی طرف جاتے ہوئے چار گولیوں سے چھلنی کر دیا گیا۔ آفتاب احمد کو اپنے بھائی کی شادی کی خاطر پاکستان سے سرینگر آئے ہوئے صرف چند یوم ہوئے تھے۔

ٹریبونل کا فیصلہ

وزیراعلیٰ شیخ محمد عبداللہ کی اکارڈ گورنمنٹ نے سانحہ سرینگر کی تحقیقات کروانے کے لئے ایک سابق چیف جسٹس جموں وکشمیر ہائی کورٹ میاں جلال الدین پر یک نفری ٹریبونل کے قیام کا اعلان کر دیا ' جس نے کئی سو صفحات پر مشتمل ایک تحقیقاتی رپورٹ مرتب کر کے ۱۹۸۱ء میں حکومت کو پیش کی لیکن یہ رپورٹ ابھی تک منظرعام پر نہیں لائی گئی ہے۔ کہتے ہیں کہ رپورٹ کی ایک کاپی فوج کو بھیج دی گئی ہے۔ جس کا ایک نسخہ حکومت کشمیر کے شعبہ داخلہ میں سخت احتیاط کے ساتھ خفیہ رکھا گیا ہے۔ اور اسے راز رکھنے کا فیصلہ کر دیا گیا ہے۔ کیونکہ اس اہم دستاویزی رپورٹ کے افشاء سے دہلی اور سرینگر کے حکمرانوں کے تعلقات میں خوفناک دراڑ پڑنے کا اندیشہ تھا اور حکومت کشمیر اس قسم کا کوئی خطرہ اور غصہ مول لینے کی طاقت اور آرزو نہیں رکھتی تھی ۔ رپورٹ کی اتنی سخت راز داری سے یہ اندازہ کرنا ہمارے لئے مشکل نہیں رہا ہے۔ کہ ۲۶'۲۷ جولائی کی شبانہ فوجی جارحیت کی تحقیقات کرتے ہوئے چشم دید واقعات اور متاثرین کے بیانات سے ٹریبونل نے جو انتیجہ اخذ کیا اور جو فیصلہ صادر کیا وہ فوج کو مجرم اور خطاوار قرار دیتا ہے' اور عالمی سطح پر ہندوستانی افواج کے کریکٹر اور ڈسپلن کی بدنامی اور بے آبروئی کا باعث بن سکتا۔ جدید دور میں کسی قومی سلامتی فوج کی بدنامی قوموں کی عالم گیر برادری میں پوری قوم کے وقار کو پیوند خاک کر سکتی ہے' ورنہ اس میں کیا تک تھی کہ ٹریبونل کی تحقیقات اور اس کا آخری فیصلہ منظرعام پر نہ لائے جاتے۔بلا شبہ ٹریبونل اپنی اہمیت و افادیت اور اعتبار کھو بیٹھتے ہیں۔ جب ان کے فیصلے عوام کو نہیں سنائے جاتے۔ اگر حکومت کشمیر میں ایمان و ضمیر کی کوئی رمق باقی ہے تو اس کا فرض ہے کہ وہ ٹریبونل کے نتائج شائع کر دے' اور اسے موئے مقدس کی چوری کے واقعہ کی طرح ایک راز بنا کر ستم رسیدہ لوگوں کے ساتھ دھوکہ نہ کرے۔ اگر ٹریبونل کا فیصلہ ہمارے خلاف ہے تب بھی اسے سنایا جانا

چاہئے۔

اثرات

۲۶ جولائی کی شبانہ غارت گری اور آتش زنی سے عام کشمیریوں کے دلوں میں محکومیت، محرومیت اور مظلومیت کا احساس جاگ اٹھا اور یہ بات ایک بار پھر ثابت ہو گئی کہ غالب عسکری طاقت اور ایک محکوم نہتی قوم کے درمیان ہونے والا کوئی بھی حسین اور دلفریب الفاظ میں لکھا گیا۔ معاہدہ، آزادی کی کھوئی ہوئی نعمت کا نعم البدل نہیں بن سکتا اسی طرح یہ حقیقت بھی لوگوں کے ذہن نشین ہو گئی کہ اندرا عبداللہ معاہدہ بس ایک سراب تھا۔ جسے ایک غالب عسکری طاقت اور تلاش اقتدار میں بے قرار عناصر نے آزادی اور حق خودارادیت کے سچے دیوانوں، پروانوں ور پیاسوں کو بھٹکانے کے لئے مرتب کیا تھا۔

سری نگر کے المیہ نے کشمیریوں کو ایک برقی جھٹکا پہنچایا اس میں ارباب ہوش کے لئے عبرت کا سارا سامان موجود تھا۔ اسی حال میں ہم نے ماضی کی طرف نظر کی تو ہمیں اپنے دفتر عمل نے خجل کر دیا۔ پھر ہم نے حال کا جائزہ لیا، تو ہمیں اپنی بے سروسامانی، تن آسانی، دنیا پرستی، ایمان فروشی، ضمیر کشی، تفرقہ پسندی، عیاری اور عیش کوشی کی تصویر نظر آئی۔ حساس عناصر کے سامنے غوروفکر اور مستقبل کی تعمیر نو کے کچھ نئے خطوط اور زاویے آئے۔ لیکن پتہ چلا کہ سینکڑوں برس کی غلامی اور نصف صدی کی غلامی پسند اور مادہ پرست قیادت نے ہمارے قوائے عمل مفلوج بنا دیئے ہیں۔ ہمیں عمل پیہم، ثابت قدمی، سخت جانی اور سخت کوشی کی صفات سے محروم کر دیا ہے۔ ہمیں اچھائی کا نقاد، برائی کا مقلد۔ اور طاقتور کا نقال بنایا ہے۔ کیونکہ خود وطن کے جانے پہچانے سیاسی و مذہبی بت بے عمل عیش کوش، دنیا پرست اور حریص ہیں۔ انہی کا قائم کردہ کھوٹا سکہ نہ کہ دین و شریعت کا کھرا سکہ، اب تک دلوں پر حاوی رہ کر ایمان و عمل کی تاراجی میں مسلسل کردار ادا کر رہا ہے۔ اس لئے ہم نے اس حادثہ غم سے مستقل عبرت حاصل نہ کی۔ غلامی اور مظلومیت کا احساس جاگ بھی اٹھا، تو پھر سو گیا۔ ہم اپنی پرانی ڈگر پر پھر سے چلنے لگے اور عذاب و عتاب کا مزید سامان پھر جمع کرنے لگے۔ حیرت ہے کہ جن حضرات کے راج تاج کی ساری حقیقت ۲۶، ۲۷ جولائی کی ٹریجڈی نے بے نقاب کر دی تھی، وہ پھر بھی نہ بدلے کوئی غیرت و حمیت بھی ان

میں پیدا نہ ہو سکی اور انہوں نے اپنی وفاداریاں ثابت کرنے کے لئے جمہوریت اور انصاف کی قبائیں مسلسل تار تار کیں۔ اس پر طرہ یہ کہ وہ اسی پھاڑے گئے دوپٹے کے لئے اپنی یہ اصطلاح برابر استعمال کر رہے ہیں۔ "عزت و آبرو کا مقام" اور اسی دعوے اور نعرے کے سایے میں حقوق کے پہرہ دار ہمارے حقوق پامال کر رہے ہیں:۔

ہمیں ملا کر بھی خاک و خون میں نہیں ہیں وہ مطمئن ابھی تک
ہماری خاک لحد کے ذرے ہیں ان کے دامن پہ بار اب بھی

سری نگر میں اسلامی کانفرنس کا حشر

اس میں کوئی شک نہیں کہ ہندوستان کا اقتدار اعلیٰ کشمیر میں ہمیشہ خوف اور اندیشوں کا شکا رہا ہے' اسے کبھی یہاں اپنے وجود کا اعتبار نہیں آیا ہے۔ لہٰذا وہ یہاں کی ہر چھوٹی بڑی تبدیلی حتیٰ کہ ایک ادنیٰ واقعہ پر بھی اپنی نگاہ مرکوز رکھتا ہے۔ اور یہاں پہنچ کر اسکی جمہوریت' آزادی صحافت اور آزادی اجتماع کے معانی ہی بدل جاتے ہیں۔ اس لئے ۲۶ جولائی کے حادثہ غم کے اثرات کا اس نے زبردست نوٹس لیا۔ اور ان اثرات کے پھیلاؤ کی روک تھام کے لئے مرکزی اور ریاستی سطح پر ہر قسم کے اقدامات کئے گئے۔ پولیس کے ذریعے نوجوانوں اور طالب علموں کی پکڑ دھکڑ تیز کر دی گئی۔

اسی غیر یقینیت اور انتشار کے ماحول میں اسلامی جمعیت طلبہ جموں وکشمیر کی طرف سے سری نگر میں ایک اسلامی کانفرنس کے انعقاد کے دن قریب تر ہوتے گئے۔ مجوزہ بین الاقوامی اسلامی کانفرنس کی نمایاں خصوصیت یہ تھی کہ اس میں شرکت کے لئے اسلامی اور غیر اسلامی دنیا کے ممتاز سیاسی و دینی رہنماؤں نے اپنی آمد کا یقین دلایا تھا۔ اس لحاظ سے یہ کانفرنس غیر معمولی اہمیت اختیار کرنے والی تھی۔ اور ممتاز شخصیتوں کی متوقع آمد کی خبر سے اس کا چرچا عام ہو گیا تھا۔ ادھر جمعیت نے اپنا یہ فیصلہ نہیں چھپایا تھا کہ وہ کانفرنس کے پلیٹ فارم سے اسلامی دنیا کے ممتاز رہنماؤں کو کشمیر کے ذوق آزادی کی طرف متوجہ کرے گی۔ ۲۶ جولائی کے المیے کے پس منظر میں اس کانفرنس کی طرف حکومت اور عوام دونوں کی توجہ مرکوز ہو گئی۔ سہ روزہ کانفرنس ۲۲ اگست سے شروع کئے جانے کا پروگرام تھا۔ لیکن حکومت نے مجوزہ کانفرنس کے انعقاد پر اپنی برہمی کا اظہار کیا۔ اس لئے حکومت اور جمعیت کے درمیان محاذ آرائی شروع ہو گئی۔ حکومت مجوزہ کانفرنس کو اپنے موقف کے لئے نقصان دہ اور جمعیت اپنے لئے اسے سود مند تصور کرتی تھی۔ کیونکہ ۲۶ جولائی کی ٹریجڈی کے زخم ابھی ہرے تھے۔ جس کی وجہ سے کشمیریوں کے دلوں میں ہندوستان سے آزاد ہونے کا جذبہ ایک بار پھر رقص کر رہا تھا۔ اس کے علاوہ ممتاز بیرونی مہمانوں کی آمد کا پروگرام اور ان کی موجودگی میں مسئلہ کشمیر کا تذکرہ حکومت ہند اپنے لئے برا تصور کرتی تھی۔ دہلی کے حکمرانوں اور سری نگر میں ان کے ماتحتوں کو سب سے زیادہ خوف ان بیرونی

مہمانوں کا تھا' جن کی اس کانفرنس میں شرکت کا پروگرام طے پا چکا تھا۔ اس لئے کشمیری حکمرانوں نے کانفرنس کے داعیوں سے کہا کہ وہ مجوزہ کانفرنس ملتوی کر کے غیر ملکی مہمانوں کے دعوت نامے واپس لیں اور مدعو حضرات کو لکھیں کہ وہ کشمیر آنے کی زحمت گوارا نہ کریں لیکن داعیان کانفرنس نے حکومت کی تجویز کے جواب میں کہا کہ وہ اخلاقی طور پر ایسا غیر شائستہ اور منفی اقدام اٹھانے سے معذور ہیں۔ ہاں اگر حکومت چاہے تو وہ آپ اپنے ہتھکنڈے استعمال میں لا سکتی ہے۔ اب حکومت نے کانفرنس والوں سے کہا کہ وہ مجوزہ کانفرنس کو چند ماہ کے لئے ملتوی کریں۔ ورنہ اس کو خلاف قانون قرار دئے بغیر کوئی دوسرا چارہ کار نہ ہو گا۔ یہ دھمکی وزیر اعلیٰ شیخ محمد عبداللہ نے ۳۱ جولائی ۱۹۸۰ء کو سری نگر میں شہریوں کے ایک اجلاس میں دی۔ جمعیت طلبہ کے رہنماؤں کو یقین ہو چکا تھا کہ حکومت اپنی دھمکی پر عمل پیرا ہو گی۔ لیکن وہ اپنے فیصلے پر قائم تھے۔ اس لئے کہ انہیں اس میں اپنا روشن مستقبل نظر آرہا تھا۔ اگرچہ اس سوال پر ان کی سرپرست بزرگ تنظیم جماعت اسلامی کی صف قیادت دو حصوں میں تقسیم تھی۔ مجوزہ کانفرنس کی خوب تشہیر ہو چکی تھی اور عوام خاص کر کشمیری نوجوان اس کے انعقاد سے انقلابی نوعیت کی توقعات وابستہ رکھے ہوئے تھے' اس لئے کانفرنس کے داعیوں کو بجا طور پر امید تھی کہ مقررہ تاریخ پر لوگوں خاص کر نوجوانوں کی کثیر تعداد سری نگر امڈ آئے گی۔ لوگوں کے پرجوش تاثرات کے پیش نظر اصحاب جمعیت حکومت کے متوقع امتناعی احکامات کو نظرانداز کر کے کانفرنس بلانے کے لئے تیار تھے۔ انہیں یقین تھا کہ اگر حکومت نے کانفرنس کو خلاف قانون قرار دیا تو سری نگر انقلاب کی لپیٹ میں آئے گا۔ اسی مخدوش صورتحال میں جب جمعیت طلبہ کے لیڈروں کو یہ اندازہ ہوا کہ حکومت کسی بھی قیمت پر انہیں کانفرنس منعقد کرنے کی اجازت نہیں دے گی تو انہوں نے سرینگر میں پانچ اگست کو ایک پریس کانفرنس بلائی۔ جس میں انہوں نے اپنی تنظیم کے نصب العین اور مجوزہ کانفرنس کے اغراض و مقاصد کی وضاحت کی اس موقعہ پر اخبار نویسوں کے سوالات کے جوابات دیتے ہوئے تنظیم کے ناظم اعلیٰ شیخ تجمل الاسلام نے کشمیر پر ہندوستان کے قبضے کو غاصبانہ اور کشمیر کو غلام قرار دیا۔ اور پاکستان کے ساتھ کشمیر کے الحاق کو ایک حق پسندانہ مطالبہ قرار دیا۔

اس کے بعد حکومت اور جمعیت کے درمیان مذاکرات کے تمام دروازے بند ہو گئے ہندوستان کے ذرائع ابلاغ نے اس بیان کی وسیع پیمانے پر تشہیر کی۔ جمعیت

طلبہ کو تو خوب پبلسٹی ملی لیکن اس کانفرنس کو ممنوع قرار دینے کے لئے ہندوستان میں زوردار مطالبات کئے گئے۔ آخر کار عید رمضان سے پہلے ہی یہ اندازہ ہو گیا کہ حکومت کشمیر اس لہر کو روکنے کے لئے اپنی تمام تر قوت عنقریب استعمال میں لانے والی ہے۔ وادی بھر میں پولیس اور سراغرسان ایجنسیوں اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں کو چوکس کر دیا گیا' اور ان شخصیتوں کی فہرست بھی مرتب کر دی گئی' جن کو عید الفطر کے فوراً" بعد گرفتار کرنا مقصود تھا۔ عید الفطر کا دن بے قراری اور غیر یقینیت میں گذر گیا' کیونکہ ۲۶ جولائی کی شب غارت گری کی تلخ یاد ابھی بہرحال تازہ تھی۔ اور پندرہ اگست کو ہندوستان کے یوم آزادی پر کسی قسم کی گڑ بڑ کو روکنے کے لئے بارہ مولہ میں دفعہ ۱۴۴ نافذ کر دی گئی۔ سوپور میں بھارت کے خلاف مظاہرے ہوئے اور ہندواڑہ میں ایک ہجوم نے پاکستان کا قومی پرچم لہرایا' اور بانڈی پورہ میں یوم آزادی کی تقریب کسی لیڈر صاحب کی تقریر دلپذیر کے بغیر قبل از وقت برخاست کر دی گئی۔

چھاپے اور گرفتاریاں

حکومت نے اسلامی جمعیت طلبہ کے لیڈروں اور کارکنوں کے علاوہ جموں وکشمیر پیپلز لیگ کو بھی نشانہ بنانے کا فیصلہ کر دیا۔ اس غرض کے لئے پیپلز لیگ کے چیئرمین کی حیثیت سے مجھے سری نگر میں ۱۸ اگست ۱۹۸۰ء کو نام نہاد پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کیا گیا۔ گرفتاریوں کا یہ سائیکلون بڑی تیزی کے ساتھ ۲۳ اگست تک جاری رکھا گیا۔ جماعت اسلامی اور اسلامی جمعیت طلبہ کے سینکڑوں وابستگان کے علاوہ پیپلز لیگ کے بہت سارے حامی بھی گرفتار کئے گئے۔ سری نگر' اسلام آباد اور بارہ مولہ میں پیپلز لیگ اور اسلامی جمعیت طلبہ کے صدر اور ذیلی دفاتر پر پولیس نے چھاپے ڈالے۔ ان کے بورڈ اتار دیئے گئے اور دفتری سامان ضبط کیا گیا' اور نوجوانوں اور طالب علموں کی مجوزہ عالمی اسلامی کانفرنس خلاف قانون قرار دی گئی۔ اس اعلان کے بعد پولیس اور ایڈمنسٹریشن نے ۲۱ اور ۲۲ اگست کو سرینگر کا محاصرہ کر دیا۔ سرینگر کے اہم مقامات خاص کر لال چوک اور عید گاہ میں پولیس کی کثیر تعداد بچھا دی گئی۔ عید گاہ میں ہی مجوزہ اسلامی کانفرنس کا انعقاد ہونے والا تھا۔ ۲۱ اگست کو سینکڑوں کی تعداد میں لوگ گرفتار کر دیئے گئے اور ۲۲ اگست کو یہ تعداد ہزاروں تک پہنچ گئی۔ سرینگر کے ارد گرد تمام ناکوں پر پولیس دستے سرگرم ہو گئے جہاں دیہات اور صوبہ جموں سے

آنے والی تمام مسافر بسوں اور دوسری غیر فوجی اور غیر سرکاری گاڑیوں کی تلاشی دن بھر جاری رہی' اور لوگ اندھا دھند گرفتار کئے گئے۔ گرفتاریوں کے اس سائیکلون کے ذریعے ساری وادی خوف و دہشت کی لپیٹ میں آ گئی۔ پولیس نے گرفتاریوں کا طوفان بدتمیزی شروع کر کے جن لوگوں کو بسوں پرائیویٹ گاڑیوں' چوراہوں اور سڑکوں سے اٹھا کر تھانوں' نظر بندی کیمپوں اور پوچھ تاچھ مرکزوں میں بھر دیا' ان میں مجوزہ اسلامی کانفرنس کے حامی اور غم گسار ہی نہیں تھے' بلکہ وہ لوگ بھی تھے جن کا سیاسی جھمیلوں سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ لیکن ان کا قصور یہ تھا کہ ان کے چہروں پر داڑھیاں تھیں۔ یا وہ نوجوان یا طالب علم تھے۔ جن سے پولیس تھانے بھر گئے۔ جو نوجوان تلاش کے باوجود نہ ملے ان کے بدلے ان کے باپ یا بھائی حراست میں لے کر تعداد پوری کر دی گئی۔ ۲۲ اگست کو لال چوک کا منظر پولیس' خفیہ پولیس اور حکمران نیشنل کانفرنسی کارکنوں اور وظیفہ خواروں کی موجودگی سے بڑا خوفناک بنا ہوا تھا۔ اس دوران اسلامی کانفرنس کے کچھ حامی نوجوان چوک میں نعرے بلند کرتے ہوئے نمودار ہو گئے۔ جن پر پولیس اور نیشنل کانفرنس کے کارکنوں نے بے رحمی سے ڈنڈے برسائے اور انہیں پولیس گاڑیوں میں دھکیل کر لے لیا۔

کشمیر کی اس دہشتناک صورت حال میں حکومت نے وہ سب حربے استعمال میں لائے جن کے ذریعے بیرونی مہمانوں کی آمد رک سکتی تھی۔ یا وہ خود اپنے دورہ کشمیر کا پروگرام منسوخ کر لیتے۔ تاہم کچھ حضرات سری نگر آئے۔ جن کو پولیس نے ہوائی اڈے سے اپنی رہنمائی میں گیسٹ ہاؤس میں پہنچا کر دوسرے روز سری نگر سے رخصت کر دیا۔ کیونکہ سری نگر کے ہوائی اڈے پر پولیس اور خفیہ پولیس سرگرم اور چوکس تھی' اور ہوائی جہاز سے اترنے والوں کے پورے حلیے کا جائزہ لے کر ہی ان کو آگے بڑھنے کا موقعہ دیتی تھی۔ ۲۲ اگست کو ہی جمعیت طلبہ کے ناظم اعلیٰ شیخ تجمل الاسلام بھی سرینگر میں نام نہاد پبلک سیفٹی ایکٹ کے تحت گرفتار کئے گئے۔ اس سے پہلے ان کے جنرل سیکرٹری عبدالمجید خان گرفتار کر لئے گئے۔ تاہم پولیس' پارٹی کے ایک اور سرکردہ رہنما ڈاکٹر محمد ایوب ٹھاکر کو فوری طور پر گرفتار کرنے میں ناکام رہی۔ انہیں اکتوبر ۱۹۸۰ء میں عید الاضحیٰ سے چند یوم پہلے گرفتار کر لیا گیا۔ جماعت اسلامی کے ایم ایل اے سید علی گیلانی اور جنرل سیکرٹری مولانا شیخ محمد سلیمان بھی اپنے بہت سارے حامیوں کے ساتھ گرفتار کئے گئے۔

گرفتارشدگاں کی زیادہ تعداد پولیس کے تعذیب خانوں میں رکھی گئی' کچھ قیدی سنٹرل جیل سری نگر میں داخل کئے گئے۔ لیکن حکومت نے اپنی انتقامی پالیسی کی روشنی میں قیدیوں کی اکثریت کو گرمی سے جھلسانے کے لئے صوبہ جموں کے قید خانوں اور تعذیب خانوں میں ٹھونس دیا۔ اس طرح ہم لوگ سنٹرل جیل جموں' سب جیل اودھم پور' سب جیل ریاسی' ڈسٹرکٹ جیل کٹھوعہ اور ہیرانگر نظربندی کیمپ میں تقسیم کر دیئے گئے۔

تعذیب خانہ کوٹھی باغ

۱۸ اگست کو گرفتار کرنے کے بعد مجھے سیدھا پولیس تھانہ کوٹھی باغ پہنچایا گیا۔ میرے بریف کیس کو ضبط کرنے کے لئے گرفتار کرنے والی پولیس پارٹی واپس اس دکان پر گئی' جہاں سے مجھے اٹھایا گیا تھا۔ لیکن نوجوان دکان دار نے امین کی حیثیت سے میرا بریف کیس پولیس والوں کے سپرد کرنے سے انکار کر دیا۔ جس کی پاداش میں پولیس نے بریف کیس چھین کر بے گناہ دکان دار کو بھی حراست میں لیا۔ میں نے جب تھانہ کوٹھی باغ میں بے قصور نوجوان کی حراست پر اعتراض کیا تو وہ اسے وہاں سے نکال کر ایس پی انٹروگیشن کے پاس لے گئے' اور پیچیدہ اور بے سود سوالات پوچھنے کے بعد اسے رات کے گیارہ بجے چھوڑ دیا' ادھر میرے بریف کیس کی تلاشی لینے کے بعد افسر تلاشی نے میرا ایک قلمی مقالہ' ہائی کورٹ جموں وکشمیر کے ایک فیصلے کی نقل اور تنظیم کے چند رسید بک اور کوپن ضبط کر لئے پہلی دو چیزیں تو پولیس والوں کے لئے بالکل کسی کام کی نہیں تھیں۔ **مثلاً** مقالے کا عنوان تھا " اسلام کا نظام بینکاری دوبئی کی مثال" مقالہ ماہوار "**البلاغ المبین**" کے لئے بڑی محنت کے ساتھ تیار کیا گیا تھا۔ لیکن خفیہ پولیس والوں کی بدحواسی اور ناقابلیت کی وجہ سے یہ بھی مجھ سے چھین لیا گیا' اور انہوں نے میری ایک بھی نہیں سنی۔

شام کے وقت مجھے ایک متعفن' ناپاک' غلیظ اور بدبو دار حوالات میں بند کیاگیا۔ جس کے سلاخی دروازے پر ایک مسلح سپاہی پہرہ دیتا تھا۔ قیدیوں کو پیشاب پھیرنے کے لئے باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی جاتی تھی اس لئے قیدی **مشتعل** ہو کر مجبوراً" کھڑے کھڑے کمرے کے ایک دروازے پر پیشاب کرتے تھے۔ جس سے یہ کمرہ سراپا نجاست پھیلا چکا تھا۔ ان قیدیوں میں پیشہ ور اخلاقی مجرم **مثلاً**" جیب کترے

اور سارق وغیرہ شامل تھے۔ ان کے علاوہ شوپیاں کے ایک سخت جان عالم مولانا غلام احمد احرار کے فرزند محمد شفیع احرار بھی گرفتار کرکے میرے ساتھ شامل کئے گئے۔ میں نے تھانے والوں کے اس شرمناک برتاؤ کے خلاف بھوک ہڑتال کے ذریعے احتجاج کرنے کا ارادہ کر لیا۔ لیکن دشواری یہ تھی کہ وہاں کے کرتا دھرتا افسروں کو ہمارے کھانے پینے کا کوئی غم نہ تھا۔ کوئی افسر ہماری شکایات سننے کے لئے نہیں آتا تھا۔ رات کے گیارہ بجے پولیس نے میرے لئے کھانا منگوایا۔ اور ہم دونوں کو اس غلیظ و ناپاک کمرے سے باہر آنے کے لئے کہا گیا۔ کھانا پیش کیا گیا لیکن میں نے زبردست احتجاج کرتے ہوئے کھانے سے انکار کر دیا۔ میں نے افسر تھانہ پر واضح کیا کہ اگر کھانا کھانے کے بعد آپ ہمیں دوبارہ اسی (ٹٹی) حوالات میں رات بھر بند رکھنا چاہتے ہیں تو اس سے بہتر یہی ہے کہ ہم فاقہ کشی میں ہی رات گذاریں پہلے تو افسر تھانہ نے حیلہ سازی سے کام لیا لیکن آخر اسے مجبوراً" میرا مطالبہ مان لینا پڑا۔ چنانچہ کھانا کھانے کے بعد ہم دونوں ایک الگ اور صاف کمرے میں رات گذارنے کے لئے داخل کئے گئے۔

۱۹ اگست کی صبح کو سید علی گیلانی' اشرف صحرائی اور ولی محمد عادل اپنے درجن بھر رفقاء کے ساتھ پہنچا دیئے گئے۔ ہم دن بھر اکٹھے رہے اور عادل صاحب کی ہنسی مذاق کا لطف اٹھاتے رہے' رات کو ہی ہمیں پولیس افسروں کے ذریعہ پتہ چلا کہ حکومت نے ہمارے مستقبل کا فیصلہ کردیا ہے جس کی بنیاد پر کل صبح سویرے صوبہ جموں کے جیل خانوں کے لئے ہمارا سفر شروع ہونے والا ہے۔ صبح سویرے تھانہ کوٹھی باغ کے باہر تین یا چار بسیں کھڑی کر دی گئیں' اور سوا سات بجے گرفتار شدگاں اور پولیس سے بھری ہوئی یہ بسیں سری نگر کے ایک ڈی' ایس' پی زمرد حسین کی معیت میں صوبہ جموں کے مختلف جیل خانوں کے لئے روانہ ہو گئیں۔ قاضی گنڈ سے ذرا آگے مزید اسیروں کو لے کر اسلام آباد سے بھی کچھ بسیں ہمارے ساتھ شامل ہو گئیں۔ اسیروں کا قافلہ عصر کے بعد اودھم پور پہنچ گیا۔ جہاں سب جیل کے عقب میں ایک بازار میں ہماری گاڑیاں کھڑی ہو گئیں اور دو نظر بندوں جمعیت طلبہ کے ڈسٹرکٹ سیکرٹری الطاف احمد شاہ اور اسلام آباد کے غلام محی الدین کو گاڑی سے اتار کر ڈی' ایس' پی اور چند سپاہی سب جیل میں داخل ہو گئے۔ ہم کوئی آدھے گھنٹے تک بسوں میں بیٹھ کر ڈی ایس پی کا انتظار کرتے رہے کہ اسی اثناء میں ایک ناخوشگوار واقعہ

پیش آیا۔ پولیس اور کشمیری اسیروں کو دیکھ کر راہ گیر ہماری بسوں کے ارد گرد بڑی تعداد میں جمع ہو گئے ہماری ایسکورٹ پارٹی کے ایک غیر مسلم سپاہی نے چپکے سے کسی ایک تماشہ بین کو بتایا کہ یہ کشمیر کے پاکستانی ہیں۔ جنہوں نے ۲۷ جولائی کو سرینگر میں غیر مسلم دکان داروں کی لوٹ مار اور آتش زنی میں حصہ لیا تھا۔ ۲۶'۲۷ جولائی کے واقعات پر ہندوستان اور جموں کے جانب دار اور متعصب پریس نے پہلے ہی کشمیری مسلمانوں کی ایک ڈراؤنی تصویر پیش کی تھی۔ اس لئے اودھم پور کے اس ہجوم نے موقعہ کو غنیمت خیال کرکے ہم پر خوب صلواتیں بھیجیں' ہمیں جی بھر کے کوسا اور دھمکیاں دیں' اور ہم پر حملہ کرنے کی تیاریاں بھی کی جانے لگیں بسوں میں بند ہم میں سے بعض لوگ فطری طور پر مشتعل ہو گئے کیا خبر کہ صورت حال بے قابو ہو کر کیا گل کھلاتی کہ اسی اثناء میں ڈی ایس پی واپس پہنچ گئے۔ اور ہماری بسیں ہیرانگر اور کٹھوعہ کے لئے چل پڑیں۔ ڈی ایس پی کو یہ سارا ماجرا سنایا گیا' اور سخت الفاظ میں احتجاج کیا گیا۔ نظر بندوں نے انہیں اپنی سخت تنقید کا نشانہ بنایا۔ وہ حیرت و حسرت کی تصویر بن گئے۔ اور انہوں نے اپنی طرف سے معذرت ندامت اور افسوس کا اظہار کیا۔ بہرحال جموں کی جھلسانے والی گرمی مین اب ہمارا شب کا سفر بھی شروع ہو گیا' اور ہم پسینے میں شرابور ہو گئے یہاں تک کہ ہم ہیرانگر پہنچ گئے' اور ہمارے قافلے کی بھاری اکثریت سب جیل ہیرانگر کے سپرد کی گئی۔ میرے ساتھ دس اسیر ڈسٹرکٹ جیل کٹھوعہ کی طرف موڑے گئے۔ اور رات کے دو بجے ہم جیل کے مہیب پھاٹک میں داخل کر دیئے گئے۔ جہاں دال سے بھرے پلیٹ اور گندم کی چپاتیاں ہمیں پیش کی گئیں اور آرام کرنے کے لئے ہم بارہ کے بارہ اسیروں کو دو تنگ و تاریلوں میں تقسیم کیا گیا۔ حالانکہ ان میں سے ہر ایک سیل میں صرف دو اسیروں کے رکھنے کی گنجائش تھی۔

کرمنل جیل

کٹھوعہ کا جیل اصل میں ایک سب جیل تھا جسے اب ڈسٹرکٹ جیل قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ابھی تک اس کی ہیئت اور گنجایش بدلی نہیں ہے۔ یہ اس ریاست کی حدود پر واقع آخری جیل ہے۔ اس کے پھاٹک میں داخل ہونے کے بعد ایک قیدی پر دہشت' تاریکی اور تنہائی کے سائے منڈلانے لگتے ہیں۔ اونچی فصیل کے اندر ایک

تنگ و تار اور محدود قید خانہ ہے جس کی کل کائنات ایک بارک' دو الگ سلیں' دو یا تین خانوں والی ایک غلیظ لیٹرن' دو کچن اور غسل خانوں کے بغیر نلکوں کے دو پوئنٹ بارک کے دو حصے ہیں' اس کا عقبی حصہ خواتین ملزموں کے لئے اور فرنٹ مرد ملزموں کے لئے مخصوص ہے۔ فی الحقیقت یہ قتل و ڈکیتی کے بڑے بڑے ملزموں کا قید خانہ ہے۔ جس میں میری موجودگی میں قتل و ڈکیتی کے ۲۰ یا ۲۲ بڑے بڑے ملزم موجود تھے کٹھوعہ کا جیل خانہ سیاسی اسیروں کے لئے ہر لحاظ سے غیر موزوں ہے اور یہاں جان بوجھ کر صوبہ کشمیر سے صرف ان سیاسی نظر بندوں کو بھیجا جاتا ہے جنہیں زیادہ سے زیادہ اذیت پہنچانا مقصود ہو یہاں کا پانی تیل رنگت اور مضر صحت ہے اس لئے اسے کالا پانی بھی کہتے ہیں۔ کالا پانی' گرمی کی شدت اور مچھروں کے پے در پے حملوں نے ہماری راتیں مصیبت میں تبدیل کیں۔ اور ہماری نیندیں اچاٹ ہو گئیں۔ جس کی وجہ سے میں اپنی سیل میں اڑنے والے نورانی جگنوں کی تنویر و دل کشی کا بھی لطف نہ اٹھا سکا۔ جو میرے کمرے میں آندھی میں ریت کے ذروں کی طرح اڑ رہے تھے۔ جلد ہی مجھ پر خونیں پیچش زہیری بیماری اور جسمانی خارش کا سنگین حملہ ہو گیا۔ نہ صرف میرا بلکہ میرے ساتھیوں اور عملہ جیل کا راتوں کا آرام بھی لٹ گیا۔ حتیٰ کہ کئی روز کی ڈاکٹری کوششوں کے بعد میرے "زہیر" پر قابو پالیا گیا۔ یہ صورت حال جاننے کے باوجود سری نگر کے حکام نے اپنی انتقامی خو نہیں بدلی اور ہماری تبدیلی کا کوئی فیصلہ نہیں کیا گیا ۲۴ ستمبر کو آئی جی جیل خانہ جات مسٹر ڈچن اور سپرنٹنڈنٹ سنٹرل جیل جموں مسٹر کوتوال دورے پر آگئے۔ آئی جی پی نے صورت حال کے پیش نظر ہیرانگر سب جیل کے لئے ہماری تبدیلی کی سفارش کا وعدہ کیا۔

کٹھوعہ جیل میں نظر بندی کے دوران میرے اور میرے اہل خانہ اور خویش واقارب کے درمیان مراسلت کا سلسلہ مکمل طور پر منقطع کیا گیا۔ خالصتاً" ذاتی اور گھریلو نوعیت کے ہمارے تمام خطوط راستے میں غائب کئے جاتے رہے۔ کیونکہ یہ خطوط نہ صرف جیلر کے ذریعے سنسر ہوتے' بلکہ خفیہ سراغ رساں ایجنسیاں بھی ہماری مراسلت کو سنسر کرتی ہیں۔ اور روحانی اذیت پہنچانے کے لئے یہ پولیس کا ایک اور رسوا کن حربہ تھا۔ جس کی مثالیں مہذب اور جمہوری حکومتون میں نہیں بلکہ کمیونسٹ' نسل پرست اور فاسسٹ حکومتوں میں بہ کثرت ملتی ہیں۔ کٹھوعہ کی نظر بندی کے دوران میں نے سب سے پہلے جموں وکشمیر ہائی کورٹ کے چیف جسٹس کے نام بھی جیلروں کے ذریعے اپنی

نظر بندی کو چیلنج کرتے ہوئے ایک رٹ پٹشن روانہ کی۔ لیکن اس کا حشر معلوم نہیں ہو سکا۔ یہ ساری صورتحال مجھے دو ماہ کے بعد عیدالاضحیٰ کے موقعہ پر معلوم ہوئی' جب سنٹرل جیل سری نگر میں میرے رشتہ دار مجھ سے ملاقی ہوئے۔

۹ اکتوبر کو مجھے اپنے چار ساتھیوں سمیت سب جیل ہیرانگر تبدیل کر دیا گیا۔ ان اصحاب کے نام یہ ہیں مختار احمد صوفی بشیر احمد گنائی' محمد احسن اور غلام نبی۔ ۱۸ اکتوبر کو میرے سوا باقی سب نظر بند رہا کئے گئے۔ اور مجھے اسی روز شام کو ہیرانگر سے سنٹرل جیل جموں پہنچایا گیا۔ جہاں سے رات کے ساڑھے بارہ بجے سنٹرل جیل سری نگر کے لئے ہمارا سفر شروع ہو گیا اور ۱۹ اکتوبر ۴ بجے دن ہم سنٹرل جیل سری نگر میں داخل کئے گئے۔ میرے ساتھ جموں سے شیخ تجمل اسلام' مولانا حبیب اللہ' شیخ محمد اشرف' کٹھوعہ جیل سے ظہور احمد شیخ شامل کر دیئے گئے۔ یہاں سے چند ماہ بعد ہم رہا کر دیئے گئے۔

تحریک شراب بندی

یوں تو غیب پر ایمان رکھنے والے تمام مذاہب اور ان کے بانی خمر کو انسان کی روحانی اخلاقی اور سماجی زندگی کے لئے سمّ قاتل جان کر گناہ قرار دے چکے ہیں لیکن پھر بھی ان کے پیروکاروں کی عملی زندگی میں اب شراب فروشی اور شراب نوشی کوئی زیادہ معیوب بات نہیں رہی ہے۔ لیکن اسلام اور اس کے ماننے والون کی بات ان سب سے مختلف ہے اس لئے کہ حرام و حلال کا جو معیار کلام اللہ نے قائم کیا ہے اس کو یہ کروڑوں مسلم عوام اور ان کے تمام فقہا اور علما تو کیا خود حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم بھی تبدیل کرنے کا کوئی اختیار نہیں رکھتے۔ اس لحاظ سے اسلام مسلمانوں پر یہ فرض عاید کرتا ہے کہ وہ اپنے سماجی اور ملکی حالات کی روشنی میں ایک ایسا قابل عمل نظام قائم کریں۔ جس میں قرآن کے اصول امر و نہی کا چلن ہو اور اس کے مقرر کردہ قانون حلال و حرام کو توڑنے کی کسی شخص میں خفیہ یا اعلانیہ ہمت پیدا نہ ہو ایک آخری امت کے زندگی بخش پیغام کے حاملین کی حیثیت سے مسلمانوں کی ذمہ داریاں انقلابی نوعیت کی ہیں۔ اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کے لئے جہاد ان پر فرض کیا گیا ہے۔ جس کی ضرورت اور فرضیت سے انکار کرنے کے لئے کوئی حیلہ کام نہیں دے سکتا۔

ریاست جموں وکشمیر جس میں مسلمانوں کو بھاری اکثریت حاصل ہے' میں برسوں سے شراب فروشی اور شراب نوشی کی حوصلہ افزائی سرکاری سطح پر نظر آتی رہی ہے اور حکومت گلی گلی خوشی خوشی مے خانوں کے لئے لائسنس اجراء کرتی ہے۔ اس کا دعویٰ ہے کہ کشمیر ایک ٹورسٹ اسٹیٹ ہے ۔ اس لئے یہاں نشہ بندی لاگو نہیں کی جا سکتی۔ گویا کہ حکومت ایک خود غرض اور بداخلاق تاجر ہے جسے لوگوں کے سماجی اخلاقی اور مذہبی اعتقادات سے نہیں اپنی دکان داری سے غرض ہے اور وہ اپنی دکان کو زیادہ سے زیادہ جاذب نظر اور مقبول بنانے کے لئے مذہب دشمنی حیاسوزی اور اخلاق شکنی کی سب سے نچلی سطح پر آنے میں فخر محسوس کرتی ہے حکومت کا یہ دعویٰ محض دروغ اور فریب پر مبنی ہے۔ ٹورسٹ اسٹیٹ کا تقاضا یہ نہیں ہے کہ شراب فروشی کے اڈے قریہ قریہ اور گلی گلی حق بہ جانب قرار دیئے جائیں۔ حق تو یہ ہے کہ

کشمیر آنے والے سیاحوں کے لئے شراب کی بوتلیں حاصل کرنا یا ساتھ رکھنا ذرا بھی مشکل نہیں ہے۔ واقعہ تو یہ ہے کہ قریہ قریہ شراب کی دکانیں ٹورسٹوں کی خاطر نہیں بلکہ کشمیر کے بچوں اور نوجوانوں کے لئے ہیں جن میں شراب نوشی کی لت پیدا کرنا اور انہیں جہاد زندگانی اور قومی عزائم سے بے زار کرانا حریت فروشوں اسلامی انقلاب کے دشمنوں اور ان کے آقاؤں کا اہم ترین مقصد ہے۔

اسلام آباد میں شراب مخالف لہر

کشمیر کے نوجوانوں کا حساس اور انقلابی عنصر اس حقیقت کو تیزی کے ساتھ محسوس کرکے شراب اور چرس دونوں برائیوں کے خلاف جہاد کرنے کا بھرپور عزم رکھتا ہے۔ کیونکہ انسانی جسم و روح عقل وفہم اور ایمان و عمل کے ان دشمنوں نے ہمارے معاشرے پر اپنی یورش تیز کر دی ہے۔ یہی وہ احساس اور جذبہ ہے جس کے سہارے مارچ ۱۹۸۲ء میں اسلام آباد کے ہنگامہ خیز اور تاریخی قصبے سے نشہ بندی کی ایک زور دار عوامی تحریک شروع ہوئی تھی۔ جسے فرقہ وارانہ رنگت دینے میں کوئی کسر باقی نہیں چھوڑی گئی۔ پیپلز لیگ کے چیئرمین کی حیثیت سے میرے پاس اس تحریک سے متعلق کافی معلومات ہیں اور میں چاہتا ہوں کہ دنیا اس تحریک کی حقیقت اور سچائی سے بے خبر نہ رہے۔ کیونکہ ریاست میں خاص مفادات رکھنے والے عناصر فرقہ پرستوں اور ہندوستان کے ذرائع ابلاغ نے اس آواز کو دبانے اور تحریک کو بدنام کرنے کے لئے طاقت اور پروپیگنڈا ہر طرح کے حربوں سے کام لیا۔

یہ تین مارچ ۱۹۸۲ء کی بات ہے جب میں پیپلز لیگ کا جائزہ لینے کے لئے اسلام آباد کے دورے پر گیا۔ میں نے رات کو یہاں پیپلز لیگ کے کارکنوں اور حامیوں کے ایک اجلاس میں شرکت کی جس میں تنظیم اور تحریک سے متعلق مختلف سوالات پر گفتگو ہوئی۔ اجلاس کے دوران لیگ کے کارکنوں نے باتوں باتوں میں قصبے میں شراب نوشی کی بڑھتی ہوئی بیماری پر اپنی تشویش کا اظہار کیا اور مجھے قصبے میں اس کے مہلک اثرات کی طرف بھی متوجہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ شراب نوشی کی لت بڑھتے بڑھتے چھوٹے چھوٹے بچوں تک کو پڑ گئی ہے۔ ان کے جذبات سنگین تھے۔ چنانچہ انہوں نے شراب کے خلاف ایک سنجیدہ اور پرامن تحریک شروع کرنے کے لئے اجازت مانگی۔ جس کی اجازت دیتے ہوئے ان کو تاکید کی گئی کہ وہ علاقے میں شراب

کے خلاف اپنی کارروائیاں اخلاق اور شرافت کے آئین کے مطابق کریں مقصد کے حصول کے لئے کام کریں اور بے راہ روی کو اپنے مقصد پر غالب نہ آنے دیں۔ بعد میں اسلام آباد میں پیپلز لیگ کے کارکنوں نے ایک صاف ستھرا اور پرامن پروگرام تشکیل دیا۔ جس کے مطابق ۵ مارچ جمعہ سے قصبے میں پیپلز لیگ کے کارکنوں کی طرف سے شراب کی دکانوں کے سامنے ایک پرامن دھرنا شروع ہو گیا۔ پیپلز لیگ کے ابتدائی پروگرام میں کوئی بھی دوسری سیاسی یا مذہبی تنظیم شامل نہیں تھی۔ نہ کسی دوسری تنظیم سے مشورہ یا گٹھ جوڑ کیا گیا تھا۔

ہمارے کارکنوں نے خالص ایک ناصحانہ اور شریفانہ انداز اختیار کیا۔ انہوں نے احتجاج کے دوران شراب فروشوں پر واضح کیا کہ وہ ان کے خلاف کسی قسم کا تشدد کرنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتے۔ انہوں نے کہا کہ وہ شراب کے خلاف ہیں نہ کہ کسی فرقے کے خلاف ۔ اسی طرح وہ شراب خریدنے والوں سے بھی شرافت اور اخلاق کے ساتھ اپیلیں کرتے رہے کہ وہ شراب جیسی عصمت و اخلاق دین و ایمان اور عقل وحواس دشمن شے سے مکمل طور پر اپنا تعلق ختم کر دیں بعض گاہکوں سے بوتلیں حاصل کرکے ان کو توڑ ڈالا گیا۔ ۷ مارچ تک افہام و تفہیم کے ساتھ ہمارے کارکنوں کا پرامن دھرنا جاری رہا۔ لیکن ۸ مارچ کو پولیس کے حکام نے دھرنا دینے والے ہمارے حامیوں اور کارکنوں کو ڈرانے دھمکانے اور مشتعل کرنے کی کوششیں کیں۔ پولیس حکام کی روش کے خلاف ہمارے حامیوں نے ایک پرامن مظاہرہ کر لیا۔ لیکن پولیس نے ان پر ڈنڈے برسانے کے علاوہ لگ بھگ بیس اصحاب کو حراست میں لیا۔ تنظیم کے جنرل سیکرٹری شبیر احمد شاہ ۔ غلام محمد گنائی ظہور احمد شیخ مختار احمد صوفی نذیر احمد خان نثار احمد خان مشتاق احمد ملک وغیرہ گرفتار شدہ کارکنوں میں شامل تھے پولیس کے اشتعال انگیز اقدامات نے قصبے میں غم و غصے کی ایک لہر دوڑا دی حتیٰ کہ دوسرے روز ۹ مارچ منگل وار کو اسلام آباد کے لوگ حکومت اور شراب کے خلاف سڑکوں پر امڈ آئے اور علاقے کی کاروباری دفتری اور ٹریفک زندگی مفلوج ہو کر رہ گئی۔ حکومت نے پولیس کی بھاری قوت سے عوام کے پرامن مظاہروں کو ناکام بنانے کی چال کی اور شراب بندی کا مطالبہ کرنے والے جلوس کو منتشر کرنے کے لئے لاٹھی چارج کیا اشک آور گیس کے گولے پھینکے اور ہوائی فائرنگ کی پولیس اور عوام کے درمیان دن بھر جھڑپوں کا سلسلہ جاری رہا۔ جس میں طرفین کی بڑی تعداد زخمی ہو گئی۔ زخمی ہونے

والوں میں ضلع کے ایس پی بھی شامل تھے۔ پولیس ڈسپلن شکنی کرتے ہوئے لال چوک اسلام آباد کی مسجد میں بھی داخل ہو گئی اور اس نے اپنی بے لگامی کا ثبوت دیا اسی اشتعال انگیز صورت حال میں بے قابو ہجوم نے شراب کی چار دکانوں پر ہلہ بول دیا اور بوتلوں کو توڑ ڈالا۔ یہ ایک بے قابو ماحول تھا جس میں پیپلز لیگ کا کوئی حصہ نہیں تھا۔ کیونکہ شراب کے خلاف تحریک کا آغاز کرنے والے ہمارے بہت سے کارکن ایک روز پہلے ہی حراست میں لئے جا چکے تھے۔ اور مزید حامیوں کی تلاش تیزی سے جاری تھی تازہ ترین صورت حال کی خبر ملتے ہی میں ۱۰ مارچ کو اسلام آباد چلا گیا جہاں کاروباری زندگی مکمل طور پر معطل تھی اور حکومت کی پرتشدد کارروائیوں اور گرفتاریوں کے خلاف عوامی مظاہرے بھی جاری تھے۔ میں نے فوراً" پیپلز لیگ کے حامیوں اور کارکنوں کا ایک اجلاس طلب کیا۔ جس میں مجھے ایڈمنسٹریشن کے رول قصبے کی صورت حال اور عوامی رجحانات کے بارے میں جانکاری حاصل ہوئی۔ میں نے دیکھا کہ عوام اپنے مطالبات پر سختی سے قائم ہیں اور قصبے میں شراب بندی کے نفاذ کی یقین دہانی اور قیدیوں کی رہائی کے بغیر وہ ہڑتال کو واپس لینے اور زندگی کو معمول پر لانے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ میں نے کارکنوں کو ہدایت کی کہ وہ اپنی مقدس تحریک کے دوران خاص طور پر اسلامی ڈسپلن پر عمل کریں اور مفاد پرست اور بے لگام عناصر سے اپنی صفوں کو پاک رکھیں۔ ۱۱ مارچ کو بھی سارے اسلام آباد میں ہمہ گیر ہڑتال تھی۔ اور ساری ریاست کی نظریں اسلام آباد کی طرف لگی ہوئی تھیں۔ اس دن قصبے کے لال چوک میں دوپہر کو ہماری طرف سے ایک زبردست ریلے کا انتظام کیا گیا۔ جس میں ہزاروں کی تعداد میں پرجوش عوام نے حصہ لے کر مکمل شراب بندی نظر بندوں کی غیر مشروط رہائی اور پکڑ دھکڑ اور خانہ تلاشیوں کا سلسلہ بند کرنے کے مطالبات کئے۔ پیپلز لیگ کی ریلے سے غلام حسن شیخ امیر ضلع جماعت اسلامی' بشیر احمد بٹ جنرل سیکرٹری محاذ آزادی اور ایک امام مسجد غلام الدین نے خطاب کیا۔ آخر پر میں نے بہ حیثیت چیئرمین پیپلز لیگ اپنی تقریر میں اسلام آباد میں شراب بندی تحریک کا پس منظر اور پیش منظر بیان کیا۔ اور ان سب الزامات کی تردید کی۔ جو ہندوستان کے ذرائع ابلاغ نے زہر اگلتے ہوئے ہماری تحریک پر لگائے تھے ہندوستانی ایجنٹوں حکمرانوں اور نام نہاد سکولر اخبارات اور نشرواشاعت کے اداروں نے ہمیں فرقہ پرست تشدد پسند اور ہندو دشمن قرار دے کر " کشمیر میں ہندو خطرے میں ہیں "۔ کا ڈھنڈورا

پیٹا تھا۔ اور نشہ بندی تحریک کو ہندو دشمن تحریک کا رنگ دینے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ ریاست کے ہندو سرمایہ داروں نے صدر اور وزیراعظم ہند کے نام اپنی تاروں اور مراسلوں میں حقائق و واقعات کو مسخ کرکے پیش کیا تھا اور اسلام آباد میں ہندو دکانوں کی لوٹ کی فرضی اور جھوٹی کہانیاں گھڑ کر اپنی بددیانتی اور دروغ گوئی کا آپ ثبوت دیا تھا۔ سچ تو یہ ہے کہ یہ تحریک ہندو کے خلاف نہیں تھی بلکہ شراب کے خلاف تھی اور اگر یہ ہندو مخالف تحریک ہوتی تو پھر ہندو دکاندار کیسے بچ نکلتے۔ یہ اتفاق ہی تھا کہ تین شراب فروش دکاندار ہندو تھے۔ اور شراب کی ایک دکان سرکاری تھی۔ اگر شراب فروش دکان دار مسلمان بھی ہوتے تو وہ بھی اسی طرح عوامی غصے اور یلغار کی زد میں آجاتے تین شراب فروش ہندوؤں کی دکانوں کی تباہی پر ہندوستان کے پریس اور ہندو لیڈر شپ نے آسمان سر پر اٹھا کر رائی کا پہاڑ بنا لیا۔ لیکن جب انہی عوام نے شراب فروشی اور شراب نوشی کے ایک خفیہ گھریلو اڈے کا گھیراؤ کرکے بوتلوں کو ضبط کیا۔ تو ہندو پریس اس کے تذکرے سے خالی رہا کیونکہ اس طرح تحریک کی غیر فرقہ وارانہ حقیقت عیاں ہو جاتی جس سے فرقہ پرستوں شراب فروشوں اور مے خواروں کے پروپیگنڈے کی اصلیت طشت ازبام ہو جاتی

میں نے وزیراعلیٰ شیخ عبداللہ کو یاد دلایا کہ وہ وزیراعلیٰ ہی نہیں بلکہ اوقاف اسلامیہ جموں وکشمیر اور آثار شریف حضرت بل کے سربراہ بھی ہیں ایسے وزیراعلیٰ کے دور اقتدار و اختیار میں مے فروشی اور مئے نوشی کی حوصلہ افزائی اور فروغ افسوسناک اور شرمناک ہے۔ اگر وہ اس ام الخبائث کی روک تھام کرنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ تو انہیں چاہیے کہ وہ اپنے سر سے اسلامی اوقاف اور معابد کی سرپرستی کی دستار نیچے اتاریں اسی جلسے میں ہڑتال کھولنے کے لئے ہم نے اپنی کم سے کم شرائط کا اعلان بھی کیا۔ مثلاً" نظربندوں کی رہائی اور اسلام آباد میں مکمل شراب بندی۔

جلسہ عام کے اختتام کے تھوڑی دیر بعد ڈپٹی کمشنر اسلام آباد کے دفتر میں ڈسٹرکٹ کے اعلیٰ حکام اور ہمارے وفد کے درمیان بات چیت ہوئی۔ جس میں طویل مذاکرات کے بعد ہمارے مطالبات مان لئے گئے۔ پانچ نظربند فوراً" ہی رہا کر دیئے گئے۔ اور پیپلز لیگ کے تمام دوسرے نظربند ۱۵ مارچ کو رہا کئے گئے۔ مذاکرات کی کامیابی کے بعد ہم نے لال چوک میں ہڑتال کھولنے کا اعلان کیا۔ اس طرح ۱۲ مارچ جمعہ کو اسلام آباد کی کاروباری زندگی معمول پر آگئی۔ لیکن ہندو دکان داروں نے فرقہ

پرستوں اور سرمایہ داروں کے اشارے پر ۹ مارچ کے واقعات پر احتجاج کرتے ہوئے اپنی دوکانیں بند رکھیں۔ جس سے قصبے میں غم و غصے کی ایک اور لہر دوڑی لیکن پیپلز لیگ نے عوام کو صبر و قرار میں رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔

پولیس اور فرقہ پرستوں کو اسلام آباد کی صورتحال سے تسکین نہیں ہوئی تھی اور وہ پیپلز لیگ کے خلاف کارروائیاں کرنے کے لئے نئے راستے تلاش کر رہے تھے ۔ چنانچہ حکام اور اسلام آباد والوں کے درمیان سمجھوتے کی پروا کئے بغیر حکومت نے ۱۸ مارچ کو کیلاش ہوٹل سرینگر سے پیپلز لیگ کے عہدیداروں اور کارکنوں کو گرفتار کر لیا

بانڈی پورہ میں پولیس کا حملہ

۱۹ مارچ کو نماز جمعہ کے بعد پیپلز لیگ نے بانڈی پورہ کے چوک میں ایک جلسہ عام بلایا تاکہ کشمیر کی تازہ ترین صورت حال اور ہندوستان کے فرقہ پرستوں کے اصل عزائم سے عوام کو آگاہ کیاجائے۔ لیکن پولیس نے ہمارے لاؤڈ اسپیکر پر ہلہ بول کر اس کے سارے تار کاٹ ڈالے اور جلسہ کو درہم برہم کرنے کی کوشش کی ۔ جس سے عوام میں پولیس کے خلاف سخت اشتعال پیدا ہوا۔ عوامی ردعمل کو دیکھ کر پولیس حکام نے ہمارے ساتھ کافی کشمکش کے بعد لاؤڈ سپیکر کے استعمال کی اجازت دیدی۔ دارالعلوم دیو بند کے نوجوان طالب علم غلام مصطفیٰ آخون کی تلاوت قرآن پاک اور پرجوش تمہید کے بعد میں نے پیپلز لیگ کی تحریک شراب بندی پر تفصیل سے روشنی ڈالی اور حکومت سے مانگ کی کہ وہ وادی کشمیر میں اپنی شراب پسند پالیسی کو تبدیل کرے اور تمام درسی کتب سے اسلام پیغمبر اسلامؐ حضرت جبرئیلؑ اور وحی الٰہی کے بارے میں خود ساختہ بیانات خارج کرکے ان سوالات پر قرآن وسنت کی طرف رجوع کرے۔ یاد رہے کہ نیشنل کونسل آف ایجوکیشنل ریسرچ اینڈ ٹریننگ نئی دہلی نے مڈل کلاس طلبہ کے لئے تاریخ اور دینیات کا جو نصاب تیار کیا ہے اور جس کو ہماری ریاست کے اسکولوں کے لے منظور کیا گیا ہے' میں اسلام کے اساسی عقائد رسالت محمدیؐ اور پیغمبرؐ کی شخصیت قرآن اور احادیث نبویؐ کی روشنی میں پیش نہیں کئے گئے ہیں ۔ جس سے اسلام کے بارے میں حکومت کے عزائم مشکوک ہو گئے ہیں۔

ضلع بارہمولہ میں گرفتاریاں

بانڈی پورہ کے بعد پیپلز لیگ نے بارہمولہ کے چوک میں ایک جلسہ عام بلانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ پیپلز لیگ کے نصب العین اس کی شروع کردہ تحریک اور ریاست کی صورت حال پر عوام کو حقیقت حال سے آگاہ کیا جائے۔ اس کے لئے ۲۶ مارچ کی تاریخ مقرر کی گئی۔ حکومت پہلے ہی پیپلز لیگ کی بڑھتی ہوئی سرگرمیوں اور مقبولیت سے سخت خوف زدہ ہو گئی تھی۔ اس میں دہلی کے حکمرانوں فرقہ پرست لیڈروں اور اخبار نویسوں کے دباؤ کا مقابلہ کرنے کی کوئی ہمت نہ تھی۔ نیز ان سب عناصر کو پیپلز لیگ کے استحکام اور مقبولیت میں اپنی شکست و ذلت کا سامان صاف دکھائی دے رہا تھا ۔ کیونکہ ان میں ہمارے تصور انقلاب اسلامی کا سامنا کرنے کی کوئی اخلاقی قوت نہ تھی۔ چنانچہ اسی فرسٹیشن کے عالم میں حکومت نے بارہ مولہ میں ہمارے خلاف جابرانہ اور عیارانہ ہتھکنڈے استعمال میں لانے کا منصوبہ بنایا تاکہ جلسہ بلانے کی ہماری تمام کاوشیں سبو تاژ ہو جائیں۔۔

حکومت نے بارہ مولہ میں خوف و ہراس کی کیفیت پیدا کی لیکن ہم اپنے عزم پر برابر قائم رہے۔ بارہ مولہ میں حکومت کی پوری مشینری پولیس اور انتظامیہ ۲۶ مارچ کو صبح سویرے حرکت میں آ گئی۔ بارہ مولہ کے چوک میں بازاروں میں اور جامع مسجد جدید کے ارد گرد پولیس کی بھاری نفری پھیلائی گئی۔ ادھر بانڈی پورہ سے سو پور تک اور سو پور سے بارہ مولہ تک پولیس کے بڑے بڑے گشتی سکارڈ اہم مقامات پر مسافر بسوں ٹیکسیوں اور گاڑیوں کی تلاشی پر مامور کئے گئے۔ اسی افراتفری کے عالم میں میں صبح کے ساڑھے دس بجے بارہ مولہ جانے کے لئے بانڈی پورہ سے سو پور پہنچ گیا۔ بارہ مولہ میں نماز جمعہ پر جامع مسجد جدید اور بارہ مولہ چوک میں میرے خطاب کا پروگرام بن چکا تھا۔ سو پور میں مجھے بارہ مولہ کی صورت حال اور پولیس حکام کی انتقامی کارروائیوں کے بارے میں مزید تفصیلات ملیں لیکن میں نے پروگرام کے مطابق ہر قسم کی صورت حال کا مقابلہ کرنے کے لیے بارہ مولہ کا قصد کیا۔ اسی اثنا میں سو پور کے سب ڈویژنل پولیس آفیسر نے پہنچ کر مجھے اپنے دو ساتھیوں عبدالمجید مجاہد ڈسٹرکٹ صدر کپواڑہ اور عبدالمجید خان ڈسٹرکٹ سیکرٹری بارہمولہ کے سمیت حراست میں لے کر سنبل کے پولیس تھانے میں قید کر لیا۔ بارہ مولہ کی جامع مسجد جدید میں اس گرفتاری کی اطلاع نماز جمعہ کے موقعہ پر دی گئی۔ جہاں نماز کے بعد پیپلز لیگ کے کارکنوں نے

ایک احتجاجی مظاہرہ کیا لیکن پولیس کی بھاری تعداد نے مظاہرین کے خلاف طاقت استعمال کی اور ہمارے کئی حامی حراست میں لئے گئے جن میں بشیر احمد کنرو ارشاد احمد شاہ محمد حسین مظفر احمد شاہ عبدالرشید گنائی اور عبیداللہ گنائی شامل تھے۔

رات سنبل تھانے میں گزارنے کے بعد مجھے اپنے دوسرے ساتھیوں سمیت ۲۷ مارچ کو سنٹرل جیل لے جا کر ۷ اپریل تک بند رکھا گیا۔

مسجد اقصیٰ کی توہین

مقام القدس

بیت المقدس ' اسلام کی تین مقدس ترین مساجد میں سے ایک ہے جس پر جون ۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ میں اسرائیل قابض ہوگیا تھا۔ ان تین مساجد میں **بیت اللہ** (مسجد حرام) **بیت المقدس**(مسجد اقصیٰ اور مسجد نبویؐ شامل ہیں۔ جو علی الترتیب مکہ معظمہ ' یروشلم فلسطین اور مدینہ منورہ میں قائم ہیں۔ **بیت المقدس** کو مسلمانوں کا قبلہ اول بھی کہتے ہیں جس کی طرف رخ کر کے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے چودہ برس تک نماز ادا کی تھی۔ جہاں سے معراج کے نام سے عرش معلیٰ کے لئے آپؐ کا مشہور کائنات گیر ' معجزاتی اور ماوراء عقل اسراء (رات کا سفر) شروع ہوا تھا اور جہاں سیر افلاک شروع ہونے سے قبل انبیائے اکرامؑ نے جمع ہو کر آپؐ کا استقبال کیا تھا اور سب نے آپؐ کے پیچھے نماز ادا کی تھی۔ **بقول نعیم صدیقی**

نماز بے مثال یاں' وہ کی گئی ہے اک ادا
بہ اقتدائے مصطفیٰؐ ' حبیب خاص کبریا
کھڑے تھے ایک قطار میں ملا کے انبیاء قدم

------ یروشلم ' یروشلم!

اس لئے بیت المقدس اور امت اسلامی کا رشتہ ان مٹ ہے اور دنیا کے مسلمان کسی بھی حال میں اپنے قبلہ اول کی توہین اور اس پر غاصب صیہونیوں ' انبیاء کرام کے قاتلوں یا غیروں کا قبضہ تسلیم نہیں کر سکتے۔

مسجد عمر میں فائرنگ

۱۱ اپریل ۸۲ء ایت دار کو ایک مسلح یہودی نے سوچے سمجھے منصوبے کے تحت مسجد عمر میں کود کر نمازیوں پر اندھا دھند فائرنگ کی جس سے دو نمازی شہید اور متعدد زخمی ہو گئے۔ نیز مسجد کو کافی نقصان پہنچا۔ بیت المقدس کے مسلمانوں نے صیہونیوں کے اس ناپاک حملے کے خلاف زبردست مظاہرے کئے جس کے جواب میں اسرائیلی

افواج نے مسلمانوں پر گولیوں کی بوچھاڑ کی۔ مسجد اقصیٰ کی توہین نے سارے عالم اسلام میں غم و غصے کی لہر دوڑا دی اور مقبوضہ یروشلم اور عالم اسلام میں ایک ہفتے تک احتجاجی ہڑتال کا فیصلہ کیا گیا۔ اسلامی کانفرنس کے چیئرمین کی حیثیت سے سعودی فرمان روا شاہ خالد بن عبدالعزیز نے تمام اسلامی ملکوں سے اپیل کی کہ وہ مسجد عمر میں اندھا دھند یہودی فائرنگ کے خلاف اور فلسطینی عوام کے ساتھ یک جہتی کا مظاہرہ کرنے کے لئے ۱۴ اپریل کو ایک دن کے لئے تمام کاروبار بند کریں۔ اسلامی ممالک نے اس اپیل پر لبیک کہتے ہوئے ۱۴ اپریل کو ایک لاجواب ہڑتال کا مظاہرہ کیا اور دنیا نے دیکھ لیا کہ ساری ملت اسلامیہ ایک جسد واحد کا نام ہے۔ مسلمانان عالم کے اس لا مثال اور عظیم الشان رد عمل سے اسرائیل کانپ اٹھا۔ یہاں تک کہ وزیر اعظم اسرائیل بیگن چلا اٹھے کہ

"کہاں ہیں ہمارے اتحادی اور حامی' ہمیں تو تنہا چھوڑ دیا گیا۔"

کشمیر کے محکوم و مجبور عوام بھی عالم اسلام کا ایک جز ہیں۔ انہوں نے بارہا آزمائشی موقعوں پر مقامات مقدسہ کے تقدس اور اسلامی قوموں کی مصیبتوں کی خاطر سڑکوں پر نکل کر صدائے احتجاج بلند کی ہے۔ اگست ۱۹۶۹ء میں مسجد اقصیٰ کی آتش زنی ہو' نومبر ۷۹ء میں حرم پاک میں مسلح مداخلت کاری ہو یا دسمبر ۷۹ء میں افغانستان میں روسی مداخلت' غرض وہ کون سا ملی سانحہ نہیں تھا۔ جس پر کشمیر کے مسلمانوں نے صدائے احتجاج بلند نہ کی ہو اور وہ اب تک خون کے آنسو نہ رو رہے ہوں۔

سوتے ہوں الگ چاہے مگر ایک ہے سنگھم

اس لئے انہوں نے عالم اسلام کے ساتھ اپنی یک جہتی کا ثبوت دینے کے لئے سری نگر سوپور اور بارہ مولہ وغیرہ میں ۱۴ اپریل کو یوم احتجاج منانے کے لئے تمام کاروبار بند کر کے سڑکوں پر مارچ کیا سری نگر میں عوام اسرائیل کے خلاف مظاہرے کرتے ہوئے لال چوک اور پھر ریگل چوک پہنچے جہاں کوٹھی باغ کے علاقے میں پولیس نے پرامن مظاہرین کو روکنے اور منتشر کرنے کے لئے طاقت کے استعمال کی دھمکیاں دیں۔ جس سے مظاہرین بھی مشتعل ہو گئے مظاہرین اقوام متحدہ کے فوجی مبصروں کے دفتر جا کر انجمن اقوام متحدہ کے نام اپنا پروٹسٹ ریکارڈ کروانا چاہتے تھے۔ جو برسوں سے سری نگر کی ایک روایت رہی ہے۔ پولیس نے ان کی ایک بھی نہ سنی۔ ان کا غصہ ٹھنڈا کرنے کے بجائے ان کو اور بھی بھڑکایا' جس کا فائدہ ہجوم میں شامل

مفاد خصوصی والے عناصر نے اٹھایا۔ آخر میں ایک پر امن مظاہرہ پولیس اور مفاد پرستوں کے بھڑکانے سے پر تشدد بن گیا اور چند بینکوں کو نذر آتش کرنے کی کوشش کی گئی۔ مظاہروں میں پاکستان کے حق میں اور اسرائیل و ہندوستان کے خلاف نعرے بلند کئے گئے۔

پولیس اور مظاہرین کے درمیان جھڑپوں کا سلسلہ چل پڑا' اور پولیس نے اندھا دھند طریقے پر لاٹھی چارج کیا' اور اشک آور گیس کے گولے پھینکے۔ لیکن پولیس افسروں کی پیاس پھر بھی نہ بجھی چنانچہ ایک پولیس افسر نے گولی چلا کر ایک مسلمان نوجوان معراج الدین زرگر کی زندگی کا سانس بند کر دیا۔ اس سانحہ کے دوران متعدد لوگ زخمی ہو گئے۔ بعد ازاں پولیس نے پیپلز لیگ کے بہت سارے ہمدردوں کو گرفتار کر لیا۔ اور شہر و دیہات میں نوجوانوں کے تعاقب اور پکڑ دھکڑ کا سلسلہ مزید تیز کر دیا۔

اسلام آباد میں تشدد

۱۵ اپریل کو سری نگر میں پولیس فائرنگ اور ایک نوجوان کو گولی سے مار نے کے خلاف سوپور' بارہ مولہ' اسلام آباد اور بانڈی پورہ کے علاقوں میں ہمہ گیر ہڑتال ہوئی۔ اور پولیس کی مذمت میں مظاہرے کئے گئے۔ اسلام آباد میں پولیس نے لوگوں کے گھروں میں گھس کر جبر و تشدد کے زیادہ سنگین حربے استعمال کئے بعض گھروں پر چھاپوں کے دوران پولیس قیمتی اشیاء کو اٹھا کر لے گئی اور زید کے بدلے بکر کو حراست میں لینے کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا۔ بوڑھوں' بچوں' اپاہجوں کی مار پیٹ اور عورتوں کی بے عزتی' مکانوں کا پتھراؤ' ان کے شیشوں اور دروازوں کی پتھروں اور ڈنڈوں سے توڑ پھوڑ وغیرہ ایک ایسا گھناؤنا رول ہے جس سے اسلام آباد میں پولیس حکام کی بد حواسی کا حال معلوم ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ پیپلز لیگ کے حامیوں اور کارکنوں کی پکڑ دھکڑ کا سلسلہ اور بھی وسیع کر دیا گیا اور ان پر تھانوں میں ستم ڈھائے گئے۔

پولیس کی ان متشددانہ کاروائیوں سے اسلام آباد میں پولیس کے خلاف نفرت اور غصے کی لہر اور زیادہ تیز ہو گئی۔ اور لوگ حکومت کے خلاف سڑکوں پر نکل کر سراپا احتجاج بن گئے اور ضلع کے نئے ایس پی امان اللہ خان کی فوری تبدیلی کا زوردار مطالبہ کیا گیا۔ اسلام آباد کی ہڑتال نہایت زور و شور سے پانچ روز تک جاری رہی۔

آخر کار حکومت کی اس یقین دہانی کے ساتھ کہ لوگوں کی شکایات کی تحقیقات کر کے ان کا ازالہ کیا جائے گا۔ اسلام آباد میں دوبارہ کاروبار کھل گیا۔ لیکن ابھی تک لوگوں کے زخم برابر ہرے تھے۔

بانڈی پورہ میں ہلڑ بازی

سری نگر میں ۱۴ اپریل کے المناک واقعات کے خلاف بانڈی پورہ میں پیپلز لیگ کے کارکنوں نے ہڑتال کی منادی کرائی۔ جس کے نتیجے میں علاقہ بھر میں مکمل ہڑتال ہوئی اور لوگ احتجاجی مظاہروں میں شریک ہونے کے لئے بانڈی پورہ کے چوک کی طرف مارچ کرنے لگے۔ پیپلز لیگ کی منادی سے حکمران نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس کے مقامی عہدیدار بد حواس ہو گئے ' دونوں جماعتوں نے محسوس کر لیا تھا کہ پیپلز لیگ کی تحریک شراب بندی کے بعد ان کے پاؤں کے نیچے زمین سرک رہی ہے۔ کھرے سونے کی دریافت کے بعد کھوٹے سکوں کا مستقبل تاریک ہونے لگا ہے' اور حریت و انقلاب اسلامی کے بے میل تصورات کے اجالے کے بعد مصنوعی اور نقلی اسلامیت کے تمام چہروں کا غازہ اترنے والا ہے اسی عالم مایوسی میں دونوں تنظیموں کے مقامی لیڈر اور وظیفہ خور ہمارے خلاف حرکت میں آ گئے کیونکہ۔

چہرے ہیں مختلف مگر کردار ایک ہے

ان کے "سورماؤں" اور کارکنوں نے جن میں سے کئی لاٹھیوں سے لیس تھے بانڈی پورہ کے چوک میں ہم پر حملہ کیا اور مسئلہ فلسطین و اقصیٰ پر ہمارے جلسے کو سبوتاج کیا۔ مقامی ایڈمنسٹریشن اور پولیس کے حکام نے حملہ آور نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس کے بلوائیوں کو روکنے اور حراست میں لینے کے بجائے ہمیں جلسہ کرنے سے روکا۔ ایڈمنسٹریشن کے ذمہ داروں اور نیشنل کانفرنس کے بلوائیوں نے میرے ہاتھ سے مائک چھیننے کی کوشش کی جو ناکام بنا دی گئی ہمارے ہاتھوں میں کوئی پارٹی پرچم نہیں تھا ' نہ کوئی پارٹی سلوگن ہمارے جلسے میں بلند ہو رہا تھا۔ ہم تو یہی فرض کر چکے تھے کہ کسی تنظیمی امتیاز کے بغیر یہ عام مسلمانوں کا ایک جلسہ عام ہو گا۔ جس میں جتنی پارٹیوں کے لیڈر چاہیں بولیں گے۔ اور سانحہ اقصیٰ اور فلسطین کی صورت حال کی طرف عوام کی توجہ موڑیں گے۔ لیکن ہم یہ مشاہدہ کر کے حیران ہو گئے کہ ہمارے مقابلے میں نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس کی باہمی رقابت ختم ہو گئی ہے اور دونوں

کے بلوائی ایک ساتھ ہم پر حملہ آور ہونے کے لئے قدم بڑھا رہے ہیں۔ کسی نیک مقصد کی خاطر اور نہ سانحہ اقصیٰ پر احتجاج کرنے کے لئے ۔ سیدھے سادے اور پر خلوص لوگ جو مسئلہ اقصیٰ پر اس جلسے میں زیادہ سے زیادہ معلومات حاصل کرنا چاہتے تھے۔ بیت المقدس کے ساتھ اپنی عقیدت کا اظہار کرنے کے خواہاں تھے' اور سری نگر فائرنگ میں ایک بے گناہ ' مسلمان نوجوان کی موت کے غم میں مبتلا تھے نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس کے بلوائیوں کی ہڑبونگ دیکھ کر حیران و بد دل ہو گئے۔ اس لئے کہ ایک مخالف تنظیم بھی اپنے حقیر مقاصد کی خاطر حکمران نیشنل کانفرنس سے گٹھ جوڑ کر کے جمہوریت اور انصاف کی مقدس اقدار کو پامال کر رہی تھی اور حکمران تنظیم کے ہاتھوں میں کھلونا بن کر ایک مقدس عوامی محفل کو ہڑبونگ میں تبدیل کر کے فسطائیت کی آبیاری کر رہی تھی۔

اس ہڑبونگ میں پہلے ہمارے ایک عزیز طالب علم نے مائیک ہاتھ میں لے کر چند افتتاحی جملے ادا کئے اور ان کے بعد میں نے شور و ہنگامہ برپا کرنے والے بلوائیوں کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ یہ کسی خاص سیاسی تنظیم کا جلسہ نہیں ہے۔ مسئلہ اقصیٰ اور سانحہ اقصیٰ پر اظہار حقیقت اس کا مقصد ہے۔ یہ کسی پارٹی کے خلاف بھی نہیں ہے اور نہ ہم نے ابھی تک کسی ایک پارٹی یا پارٹیوں کے خلاف لب کشائی کی ہے اس لئے ہم حیران ہیں کہ اس جلسے کو ناکام بنانے والے کیا اغراض حاصل کرنا چاہتے ہیں لیکن بلوائیوں نے ایک بھی نہ سنی اور انہوں نے اپنا شور و ہنگامہ برابر جاری رکھا۔ مشترکہ جلسے کا کوئی مطالبہ نہیں کیا اور نہ یہ کہا کہ وہ پہلے جلسہ کرنا چاہتے ہیں' بعد میں آپ اس کے بر خلاف جب حکام نے موقعے پر ہی چوک میں جلسے پر ایک غیر قانونی پابندی عاید کرنے کا اعلان کیا تو نیشنل کانفرنس اور پیپلز کانفرنس والوں نے زور زور سے خوشی کی تالیاں بجائیں۔

حریف اپنا سمجھ رہے ہیں مجھے خدایان خانقاہی
انہیں یہ ڈر ہے کہ میرے نالوں سے شق نہ ہو سنگ آستانہ

اس واقعے سے بانڈی پورہ کے ہوشمندوں اور ہمارے ہمدردوں کو معلوم ہوا کہ تحریک حریت اور تصور انقلاب اسلامی کے دشمن کن کن گوشوں اور کمین گاہوں میں کیسی کیسی قبائیں اور کلاہیں پہن کر اور کتنے رنگین چہرے آراستہ کر کے ہم پر گھات لگائے بیٹھے ہیں۔

تحریک آزادی میں جمود کیوں؟

۱۹۳۱ء میں ہماری ریاست جموں و کشمیر میں سیاسی بیداری کی ایک تحریک شروع کی گئی ' جو مختلف مرحلوں اور شکلوں سے گزرتی ہوئی اپنی اصل سے دور ہوتی گئی۔ یہ حیرت اور افسوس کی بات ہے کہ اگر ایک طرف سے وقت گزرنے اور بیسویں صدی کی دوڑ کے ساتھ ساتھ دنیا کو عام طور پر اور غلام اقوام کو خاص طور پر آزادی کے نظریے کی واضح پہچان ہوتی گئی ' اور آزادی اور غلامی کے فرق کے بارے میں ان کا شعور اور زیادہ بالغ اور آزادی پر ایمان اور زیادہ محکم ہو گیا۔ یہاں کشمیر میں الٹی گنگا بہنے لگی یہاں تک کہ آزادی پر رہا سہا ایمان بھی متزلزل ہو گیا۔ غلامی کی غذائیں لذیذ محسوس ہو گئیں۔ شعور اور فکر کی اڑان رک گئی۔ ہم تاویل بازیوں میں پھنس گئے اور اس تحریک کا چہرہ مسخ کر دیا گیا جس کی بنیاد اور طاقت کا راز لہو کی رنگینی جہاد فی سبیل اللہ اور شہادت حق میں پوشیدہ تھا۔

اس طویل مدت کے دوران دنیا کی کئی غلام قومیں آزاد ہو چکی ہیں اور اپنی قسمت بنانے ' سنوارنے اور اپنی ضروریات اور اقدار حیات کے مطابق ایک منصفانہ معاشی و جمہوری نظام حکومت اور ایک ترقی پسندانہ سماجی نظام کے قیام کی کوششوں میں مصروف ہیں۔ بلکہ براعظم افریقہ کے تاریک اور بعید گوشوں پر بھی آزادی اور خود اختیاری کا سورج طلوع ہو رہا ہے۔ اس صورت حال میں یہ مضحکہ خیز بات ہے کہ کشمیر کے عوام اپنے سفر میں کھو گئے ہیں۔ آگے بڑھنے کے بجائے پیچھے غلامی کی طرف لوٹ آئے ہیں اور اس بات سے بالکل ہی بے فکر نظر آ رہے ہیں کہ وہ بھی اپنی آنے والی نسلوں کے لئے آزادی کی میراث چھوڑ کر اپنے مولا کے حضور جاتے۔

تھا جو ناخوب بتدریج وہی خوب ہوا
کہ غلامی میں بدل جاتا ہے قوموں کا ضمیر

حقیقت یہ ہے کہ کشمیر کا مسافر اپنی اصل راہ یعنی راہ آزادی سے بھٹک گیا ہے اور اگر موجودہ صورت حال کو بدلانے اور عوام کو اپنے حقیقی مشن کی طرف لوٹانے کے لئے منظم جدوجہد کو نہ پھیلایا گیا تو یقینی خطرہ ہے کہ ہماری آنے والی نسلوں کو پہچاننا مشکل ہو جائے گا۔ ہم اپنی دینی و ملی اقدار کے ساتھ غیریت کا سلوک کریں گے اور ہمارے اوپر ایک ایسا سیاسی نظام مستحکم ہو جائے گا جس کی موجودگی میں

اسلام کے ترقی پسند اخلاقی ' معاشرتی ' معاشی ' قانونی ' تعلیمی ' تمدنی اور ثقافتی نظریات کے باقی رہنے اور پنپنے کے امکانات تاریک ہو جائیں گے۔

اس لئے ہمارے ملک کے ہوشمند لوگوں کو کشمیر کے حال و مستقبل پر سنجیدگی سے سوچ کر آزادی کی جدوجہد کے لئے اپنے اندر حوصلہ اور ولولہ پیدا کر لینا چاہئے لیکن ساتھ ساتھ ہمیں ان اسباب کا جائزہ بھی لینا ہو گا جو ہماری نئی غلامی کا باعث بن گئے تھے۔ میرے خیال میں ہم اس سوال پر غور و فکر کرنے اور اس کا تاریخی و نفسیاتی تجزیہ کرنے کے بعد اپنی غلامی اور جہالت کے مندرجہ ذیل اسباب تلاش کر سکتے ہیں۔

۱۳ جولائی ۱۹۳۱ء کے سانحہ کشمیر کے بعد جموں و کشمیر کے عوام کو ڈوگرہ مہاراجوں کی ظالمانہ ' موروثی اور مطلق العنان حکومت سے نجات دلانے کے لئے جموں و کشمیر مسلم کانفرنس کی شکل میں ایک طاقتور قومی تحریک نصیب ہو گئی۔ اور مسلمانان ریاست جسم واحد بن کر ظلم و استبداد کے خلاف سینہ سپر ہو گئے۔ بد قسمتی سے صرف چند برس کے اندر اندر مسلم کانفرنس کے اتحاد کا پہاڑ ٹوٹ گیا اور یہ بد ترین تفرقہ و انتشار کی شکار ہو گئی۔ جون ۱۹۳۹ء میں مسلم کانفرنس کو بدل کر نیشنل کانفرنس بنا دیا گیا۔ پہلے مسلم کانفرنس کی تفرقہ بازی اور پھر نیشنل کانفرنس کے قیام نے کشمیری مسلمانوں کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور ان دونوں گروپوں کی محاذ آرائی سے کشمیر کی سیاست کے ایک ناتمام اور افسوسناک باب کا آغاز ہو گیا لیکن دوسری طرف سے وادی کشمیر میں مسلم کانفرنس کے حامی ایک حرکت پذیر لیڈر شپ پیدا کرنے میں ناکام رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ وادی میں مسلم کانفرنس کو اپنی آزمائش و بحران کے دور میں اپنے نظریات کی ترجمانی کرنے کے لئے جس پائے اور فراست کے قائد کی ضرورت محسوس ہو رہی تھی وہ اسے میسر نہ ہوا۔ اور جموں میں مسلم کانفرنس کی قوت و شوکت ' کشمیر میں پیدا ہوئے خلاء کو پر نہیں کر سکتی تھی۔

مسلم کانفرنس کا اندرونی انتشار اور نیشنل کانفرنس میں اس کی تبدیلی کچھ ایسے واقعات ہیں جو اس حقیقت کی غمازی کر رہے ہیں کہ اس دور میں کشمیر کی مسلم قیادت کو عالم گیر اتحاد اسلامی اور اخوت اسلامی کا کوئی واضح تعارف تھا اور نہ اس نے قومیت اور سیاست کے اسلامی نظریات کا مطالعہ کیا تھا۔ یہ عبرت ناک نا انصافیوں اور حادثوں کا دور تھا۔ جس میں کسی اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے والے مسلمان کا کوئی بھی مستقبل نہ تھا۔ لیکن یہ قیادت دنیا کے آخری اور زندگی کے ہمہ گیر اور طاقت ور

نظریے کے مطالعے سے عاری تھی۔ اس لئے جب پنجاب اور بنگال سے اسلامی نیشنل ازم کی آواز بلند ہوئی تو اس کی سمجھ میں یہ معاملہ نہ آیا۔ اس نے سمجھنے کی کوشش بھی نہ کی بس اس آواز سے اپنے اور لوگوں کے کان بچانے کی کوشش کی۔ اس کے بعد کشمیر کو جو المیہ پیش آیا اور جس سے وہ ابھی تک چھٹکارا حاصل نہیں کر سکا ہے۔ وہ اسلامی بھائی چارے اور اسلامی انقلاب کی اس آواز سے اپنے کان بند رکھنے کا نتیجہ تھا۔ پھر بھی مسلم کانفرنس کو نیشنل کانفرنس میں تبدیل کرتے وقت اس لیڈر شپ نے وعدہ کیا تھا کہ نیشنل کانفرنس ہندوستان کی انڈین نیشنل کانگریس اور انڈین مسلم لیگ کی سیاسیات میں مکمل طور پر غیر جانبدار رہے گی۔ اگر نیشنل کانفرنس اور اس کی قیادت اپنے اس عہد کا پاس کرتی تو کشمیر کے عوام غلط سیاسی فیصلوں کا شکار نہ ہوتے لیکن نیشنل کانفرنس کے لیڈروں نے ایک غلط فیصلہ لینے کے بعد اور بھی کئی غلط فیصلوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کر دیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ ۱۹۴۷ء میں کشمیر کی فوجی تقسیم واقع ہو گئی۔ اس طرح یہاں نیشنل کانفرنس نے اور آزاد کشمیر میں مسلم کانفرنس نے اقتدار سنبھال لیا۔ ۱۹۴۷ اور ۱۹۴۸ء کی خونریز جنگ میں اور اس کے بعد جموں و کشمیر کے بہت سارے مسلمان ' سیاسی لیڈر اور سیاسی کارکن اپنا اپنا گھربار چھوڑنے پر مجبور کئے گئے' وہ آزاد کشمیر اور پاکستان کی طرف دھکیل دیے گئے جس سے وادی اور جموں کے علاقے حریت پسندوں کی رہبری سے محروم ہو گئے۔ اور پانچ برس تک کشمیر پر جمود اور خوف کی کیفیت طاری رہی۔ ۱۹۴۷ء کے المیے نے کشمیر کے اس حصے کو بہت سارے ہونہار اور زرخیز دماغ سیاسی کارکنوں سے محروم کر دیا اور ایک عرصے تک یہ سرزمین حق خود ارادیت نواز لوگوں کے لئے بالکل ہی تنگ ہو گئی۔ چھ برس گزر جانے کے بعد ۵۳ء سے وادی کشمیر میں آزادی اور حق خود ارادیت کے سوال کا پھر سے غلغلہ مچا اور وہ بھی ان ہی نیشنلسٹوں کے ذریعے جنہوں نے ۴۷ء میں اس کو سبوتاژ کر لیا تھا۔ کشمیری عوام نے ان حضرات سے بڑی بڑی توقعات وابستہ کر دیں لیکن آخر وہی کچھ ہوا جس کا خطرہ ان لیڈروں سے ہو سکتا تھا۔ انہوں نے کافی طمطراق سے ۱۹۷۴ء میں ایک اور دہلی اکارڈ کر لیا اور بیس برس کی خونریزیوں کے بعد آزادی کی تحریک کو بے اثر کر دیا گیا' جو اس سے پہلے اس کے ساتھ ان ہی لوگوں نے ۴۷ء میں کیا تھا۔

پھر حسن کے جلووں نے بنایا مجھے بے خود
ہشیار ہوا تھا جرس دل کی صدا سے

آزاد کشمیر کا رول

۴۸-۱۹۴۷ء میں جنگ کشمیر کے بعد ریاست جموں و کشمیر کے نقشے میں آزاد کشمیر اس تاثر کے ساتھ وجود میں آگیا کہ وہ کشمیر کی تحریک آزادی کے لئے ایک اہم بنیادی کیمپ اور محفوظ قلعہ بن کر اپنا کردار ادا کرے گا اور جموں و کشمیر کے مہاجرین اور علاقے کے عوام کو ساری ریاست کی آزادی کے لئے جدوجہد کرنے کے خوب مواقع میسر آئیں گے لیکن دھیرے دھیرے وہ علاقہ بھی اپنی علاقائی اور گروہی سیاسیات کے زلفوں کے پیچ و خم میں اسیر ہو گیا اور قافلہ آزادی کی شیرازہ بندی کے مقدس فرض کو بھول گیا۔ اسی طرح پاکستان کی وزارت امور کشمیر نے گذشتہ ۳۵ برسوں میں آزاد کشمیر میں سیاست کاری اور حکمرانی کا جو اسلوب اپنایا۔ وہ بھی کچھ حوصلہ افزا نہ تھا۔

اگر پاکستان کی خواہش ہے کہ کشمیر کے سوال کا ایک آبرو مندانہ منصفانہ اور جمہوری حل نکل آئے تو اسے آزاد کشمیر کے مضبوط دفاع کے ساتھ ساتھ اس کے اصل مقام کی طرف بھی توجہ دینی ہو گی۔ پاکستان کو آزاد کشمیر میں رہتے ہوئے ہندوستان کے نقش قدم پر نہیں چلنا چاہئے۔ ہندوستان کشمیر میں رہ کر انصاف کے مسلمہ بین الاقوامی اصولوں اور کشمیر سے متعلق انجمن اقوام متحدہ کی قرار دادوں کی روح کو پامال کر رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں پاکستان کو چاہئے کہ وہ آزاد کشمیر میں رہتے ہوئے حق اور انصاف کی راہ کا ہر قیمت پر بول بالا کرے تاکہ آخر کار ریاست جموں و کشمیر کا مسئلہ حریت ریاستی عوام کی خواہشات کے مطابق ہمیشہ کے لئے طے ہو جائے۔

خود پاکستان اور آزاد کشمیر میں پھیلے ہوئے کشمیری باشندوں کو بھی چاہئے کہ وہ موجودہ عافیت کیشی کو چھوڑ کر عوامی سطح پر اپنے وطن کے نصب العین کے لئے منظم ہوں اور اپنے ان لاکھوں بھائیوں پر یاس و نومیدی طاری نہ کریں جو یہاں ابتلاء و آزمائش کی گھاٹیوں سے گزر رہے ہیں۔

شخصیت پرستی

کشمیر کی آزادی اور حق خود ارادیت کا سوال لٹکا کر رکھنے کی ذمہ داری خود ہم